اداریہ

اسلام وعلیکم:

نئے سال کے آغاز کے ساتھ ہی "ست رنگ" کے نئے شمارے کے ساتھ حاضر ہیں۔سال بدلا، کیلنڈر بدلا، وقت بدلا اور ہم ایک نئے سال میں داخل ہو گئے زندگی کا ایک اور سال ختم ہو گیا۔گذشتہ برس بہت کچھ کھویا اور بہت کچھ پایا بھی، انگنت خوشیاں اور کئی دکھ سمیٹے۔کتنے لوگوں کے پیارے اور چاہنے والے بچھڑ گئے یہی زندگی ہے اور زندگی نام ہی رواں رہنے کا ہے کسی کا سفر جاری ہے اور کسی کا ختم ہو چکا ہے، آج ہم ہیں کل ہم نا ہوں گے کوئی ہم سا ہو گا کاروبار زندگی یوں ہی چلتا رہے گا۔بس ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنی زندگیوں کو بامقصد بنانا ہے اور زندگی کا جتنا وقت باقی ہے اس کو اللہ، رسول ﷺ کے بتائے ہوئے رستے پر چلتے ہوئے گزارنا ہے۔حقوق اللہ کے

ساتھ حقوق العباد کا بھی خیال رکھنا ہے اور زندگی کے اس مختصر سے سفر کو پیار، محبت، انکساری اور رواداری کے ساتھ گزارنا ہے تا کہ آئندہ آنے والی نسلیں بھی اسی نقش قدم پر چل سکیں۔

اب بات ہو جائے میگزین کی تو جناب "ست رنگ" کے گذشتہ شمارے کی پسندیدگی پر آپ سب کے بہت مشکور ہیں اللہ پاک کا جتنا بھی شکر ادا کریں کم ہے کہ "ست رنگ" نے بہت کم عرصہ میں لوگوں کے دلوں میں اپنا نمایاں مقام بنا لیا ہے اس کے لئے ہم ان تمام دوستوں کے بھی بہت شکر گزار ہیں جو ہماری اس ادنیٰ سی کاوش میں ہمارا بھرپور ساتھ دے رہے ہیں، اور قدم بہ قدم آپ سب کی مشاورت ہمیں اپنے کام میں بہتری لانے میں بہت معاون ثابت ہو رہی ہے ہم آئندہ بھی آپ سب کی طرف سے مثبت اصلاح اور تنقید کے منتظر رہیں گے۔اس دعا کے ساتھ اگلے شمارے تک اجازت

چاہوں گی کہ نیا سال ہر ایک کے لئے رحمتوں، برکتوں اور خیر و عافیت، امن وسلامتی کا سال ثابت ہو۔ آمین۔

خوش رہیئے اور خوشیاں بانٹتے رہیئے۔

آخر میں ہمیشہ کی طرح بزبان اقبال کچھ یوں کہوں گی۔

پرونا ایک ہی تسبیح میں ان بکھرے دانوں کو

جو مشکل ہے، تو اس مشکل کو آساں کر کے چھوڑوں گا

جزاک اللہ خیر۔

دعا گو۔ علینہ ملک

☆☆☆

فہرست

ایڈیٹر۔عدیلہ سلیم۔علینہ ملک۔کہکشاں صابر

میگزین کور ڈیزائنر۔کہکشاں صابر

میگزین ڈیزائنر۔عدیلہ سلیم

میگزین کمپوزر۔علینہ ملک

اداریہ۔

2-اداریہ۔۔۔۔علینہ ملک

6-حمد

7-منقبت(انتخاب۔۔۔کہکشاں صابر)

9-منقبت۔۔۔۔کوثر جہاں

☆☆☆

مضامین۔کالم۔

10- کلمہ طیبہ۔۔۔۔۔ثمرین یعقوب

13-صادقین کیلی گرافی کا بے تاج بادشاہ۔۔۔۔علینہ ملک

17-رشتوں میں توازن قائم رکھیں۔۔۔۔ثناء واجد

26-یاغوث اعظم دستگیر۔۔۔۔۔کہکشاں صابر

147-نیچرل بیوٹی۔۔۔۔فرحین ریاض

215- ثمادصمدانی ایک لیجنڈری آرٹسٹ۔۔۔۔علینہ ملک

☆☆☆

ناول۔

34- تیرے بن جی نہ سکے(قسط نمبر 2)۔۔۔۔۔۔نعیم سجاد

114- عشق سنگ مرمر سا(قسط نمبر 2)۔۔۔۔۔اقراء عابد

160- بند قبا کھلنے لگی ہے جاناں(قسط نمبر 2)۔۔۔۔۔سعدیہ عابد

☆☆☆

افسانے۔

110- بھلائی ابھی باقی ہے۔۔۔۔۔راحیلہ

151-روشنی کی خاطر۔۔۔۔کہکشاں صابر

155-بدلتے موسم۔۔۔۔کشف بلوچ

224- کرچیاں۔۔۔۔راحیلہ

☆☆☆

انٹرویو۔

227- محمود ظفر اقبال ہاشمی کا انٹرویو۔۔۔۔(ترتیب۔علینہ ملک)

☆☆☆

سروے۔

243-ست رنگ سروے۔۔۔۔نورین

☆☆☆

رنگ بہاراں۔

262-غزل۔۔۔۔صداقت علی

263-نظم۔۔۔۔سبحان آفندی

264-نظم۔۔۔۔بتول بھٹی

265-نظم۔۔۔۔دیا خان بلوچ

266-نظم۔۔۔۔سندھیا شاہ

☆☆☆

کچن کارنر۔

258- اقراء عابد

☆☆☆

267-ست رنگ ڈاک

☆☆☆

حمد

فضا رنگین ہے، دلکش سماں ہے
تجلی کا تیری، دریا رواں ہے
زمین سے آسماں تک ذرہ ذرہ
تری توصیف میں رطب اللساں ہے
یہ ہر منظر تری جلوہ نمائی
نہاں ہو کر بھی تو ہر سوں عیاں ہے
نہیں مخفی ہے تجھ سے کوئی گوشہ
شہود و غیب سب تجھ پر عیاں ہے
تری ہر شے پہ ہے فرمانروائی
تو ہی سارے جہاں کا حکمراں ہے
تری قدرت کا ہے ادنی کرشمہ
کہاں انسان تھا، پہنچا کہاں ہے
نہیں موقوف کچھ ان محفلوں پر
کہ بزم حمد تو سارا جہاں ہے
مہ و خورشید میں پرتو ہے تیرا
ترے ہی نور سے روشن یہ جہاں ہے
فرید بے نوا اور حمد گوئی
نہ منہ ایسا، نہ اس قابل یہ زباں ہے

☆☆☆

منقبت

سن لواے پیروں کے پیر غوث العظم دستگیر
بدلو میری بھی تقدیر، بدلو میری بھی تقدیر
غوث العظم دستگیر
میں ہوں تمھارے در کا بھکاری اے شاہ
بغداد، اے شاہ بغداد
واسطہ تم کو پیارے نبی کا سن لو میری فریاد، سن
لو میری فریاد
توڑو گردش کی زنجیر، توڑو گردش کی زنجیر
غوث الاعظم دستگیر
سن لواے پیروں کے پیر غوث الاعظم دستگیر
در سے تم نے اپنے کسی منگتے کو نہیں ٹالا، منگتے
کو نہیں ٹالا
آلِ نبی کا صدقہ تم نے جھولی میں ہے ڈالا،
جھولی میں ہے ڈالا
بڑے پیر بینظیر بڑے پیر بے نظیر غوث
الاعظم دستگیر
سن لواے پیروں کے پیر غوث الاعظم دستگیر
غوث پیا جیلانی تمھاری شان پہ میں قربان،
تمھاری شان پہ میں قربان
میں بھی تمھارے در پہ آؤوں دل میں ہے
ارمان، دل میں ہے ارمان
دے دو خابوں کی تعبیر، دے دو خابوں کی
تعبیر غوث الاعظم دستگیر
سن لواے پیروں کے پیر غوث الاعظم دستگیر
اپنی محفل میں آ کر اب جلوے سب کو

دیکھانا، جلوے سب کو دیکھانا

قادری سارے جھوم رہے ہیں سب کے

بھاگ جگانا، سب کے بھاگ جگانا

آ وائے پیرانِ پیر، آ وائے پیروں کے پیر

غوث الاعظم دستگیر

سن لوائے پیروں کے پیر غوث الاعظم دستگیر

غوث پیا یہ ادنا کمال اپنی مرادیں پائے، اپنی

مرادیں پائے

در پہ تمھارے حاضری دے اور مدینے

جائے، اور مدینے جائے

کردو کچھ ایسی تدبیر کردو کچھ ایسی تدبیر غوث

الاعظم دستگیر

سن لوائے پیروں کے پیر غوث الاعظم دستگیر

بدلو میری بھی تقدیر بدلو میری بھی تقدیر

غوث الاعظم دستگیر......

منقبت

امام الانبیاء جیسے نبی شاہِ عالم ہیں
امام الاولیاء ویسے ہی میرے غوثِ اعظم ہیں

وہی ہیں غوث صمدانی وہی محبوبِ سبحانی
محی الدین لقب جن کا وہ میرے غوثِ اعظم ہیں

جنھیں حسنینِ جنت بادشاہوں کی ملی نسبت
شکم سے ہی ولی اللہ میرے غوث اعظم ہیں

سبھی سیراب اُن کے چشمہ صافی سے ہُوا کرتے
ہوں تِشنہ انس و جن سب کے مسیحا غوثِ اعظم
ہیں

مَرے مُردے ہوئے زندہ، ہوئے مُردہ جو زندہ
تھے
عطارب کی نبی کی نظر جن پہ غوثِ اعظم ہیں

قدم ٹھہرا ہے اُن کا گردوں پر اولیاؤں کی
شہنشاہوں کے شاہِ تاج ور وہ غوثِ اعظم ہیں

کہا امداد کُن جب بھی، وہ آئے دستگیری کو
کنارہ ڈوبتے کو دیں جو میرے غوثِ اعظم ہیں

جو اُنکا نام لیوا ہے جو اُن کو یاد رکھتا ہے
سہارا حشر میں دینگے جو پیارے غوثِ اعظم ہیں

کوثر جہاں۔کراچی

تحریر۔ثمرین یعقوب

دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے سب سے پہلے کلمہ طیبہ پڑھنا ضروری ہے۔اسلام کا بنیادی رکن کلمہ طیبہ ہے۔موت بھی اسی کلمہ پر ہو، یہی ہر مسلمان کی دلی خواہش ہوتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جس نے لا الہٰ اللہ کہا اور اس کے دل میں جو برابر بھلائی (ایمان) ہو تو وہ ایک دن ضرور دوزخ سے نکلے گا اور جس نے لا الہ الا اللہ کہا اس کے دل میں گیہوں برابر بھلائی ہو وہ ایک نہ ایک دن ضرور دوزخ سے نکلے گا اور جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور اس کے دل میں ذرے (چیونٹی) برابر بھلائی ہو وہ ایک نہ ایک دن ضرور دوزخ سے نکلے گا۔

(بخاری،جلد اول کتاب الایمان،حدیث نمبر :42)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ سے میں نے سوال کیا یا رسول اللہ! قیامت کے دن آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ کون مستحق ہوگا (کس کی قسمت میں یہ نعمت ہوگی) آپؐ نے فرمایا ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) میں جانتا تھا کہ تجھ سے پہلے کوئی یہ بات مجھ سے نہیں پوچھے گا، کیونکہ میں دیکھتا ہوں تجھے حدیث سننے کی کتنی حرص ہے (اب سن لے) سب سے زیادہ میری شفاعت کا نصیب ہونا اس شخص کے لئے ہوگا، جس نے اپنے دل سے یا اپنے جی کے خلوص سے لا الہ الا اللہ کہا ہو۔ (بخاری، جلد اول کتاب العلم، حدیث نمبر: 98)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایمان کے ستر سے کچھ اوپر شعبے ہیں سب سے افضل (شعبہ) لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کا اقرار، سب سے کمزور (شعبہ) راستے سے ہڈی (کوئی تکلیف دہ چیز) کا ہٹانا اور حیاء ایمان کا

ایک حصہ ہے۔

(سنن ابی داود، جلد سوئم کتاب السنۃ: 4676)۔اللہ پاک سے دعا ہے کہ ہر مسلمان کا خاتمہ ایمان کی حالت میں ہو اور زبان پر کلمہ جاری ہو ۔آمین۔

☆☆☆

☆ صادقین فن خطاطی کا بے تاج بادشاہ ☆

علینہ ملک ۔ کراچی ۔

فن خطاطی کے بے تاج بادشاہ اور عالمی شہرت یافتہ مصور، خطاط اور نقاش، سید صادقین احمد نقوی کے نام سے کون ناواقف ہوگا ۔ سید صادقین احمد نقوی جو بعد میں صادقین کے نام سے مشہور ہوئے 1930 میں ہندوستان کے شہر امروہہ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم امروہہ میں ہی حاصل کی بعد ازاں آگرہ یونیورسٹی سے بی اے کیا اور آزادی کے بعد وہ اپنے اہل خانہ کے ہمراہ کراچی (پاکستان) منتقل ہو گئے ۔ 1940 کی دہائی میں وہ ترقی پسند ادیبوں اور فنکاروں کی تحریک میں شامل ہو گئے ۔ صادقین کی خطاطی اتنی منفرد اور اچھوتی تھی کہ ان کے دور میں ہی لوگ انکے فن پاروں کو کاپی کرنے لگے اور اس پر صادقین کا نام لکھ کر منہ مانگے داموں فروخت کرتے جبکہ صادقین نے

شاہی خاندانوں اور ملکی و غیر ملکی صاحب ثروت کی جانب سے بھاری پیشکشوں کے باوجود بھی اپنے فن پاروں کا بہت کم سودا کیا۔

صادقین کے فن پاروں کی سب سے پہلی نمائش 1954 میں کوئٹہ میں ہوئی جس کے بعد فرانس ،امریکہ، مشرقی یورپ ،مشرقی وسطیٰ اور دنیا کے دیگر مما لک میں بھی ایسی نمائشیں منعقد ہوئیں ۔مارچ 1970 میں انہیں تمغہ امتیاز سے نوازا گیا،اور 1985 میں ستارہ امتیاز سے نوازا گیا ۔صادقین کو سب سے پہلے دیوان غالب کو تصویری قالب میں ڈھالنے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ان کی خطاطی کے نمونے فیصل مسجد، فریئر ہال ،کراچی نیشنل میوزیم ،صادقین آرٹ گیلری اور دنیا کے ممتاز عجائب گھروں میں موجود ہیں ۔صادقین نے سب سے زیادہ فوقیت میولرز کو دی انہوں نے سب سے پہلا میورل کراچی ائیر پورٹ پر بنایا۔

ان کی دیوار گیری مصوری (میورلز) کی تعداد کم و بیش ۳۵ ہے جو آج بھی اسٹیٹ بینک، فریئر ہال کراچی ،لاہور میوزیم ، پنجاب یونیورسٹی ،منگلا

ڈیم ،علی گڑھ یونیورسٹی ،بنارس ہندو یونیورسٹی ،انڈین انسٹیٹیوٹ آف جیولوجیکل سائینسز ،اسلامک انسٹی ٹیوٹ دہلی اورابوظہبی پاور ہاؤس کی دیواروں پر سجے شائقین کومبہوت کررہے ہیں۔صادقین نے جناح اسپتال اور پی آئی اے ہیڈکوارٹرز کے لیئے بھی ابتداء ہی میں میورلز تخلیق کیئے جو پر سرارطور پر غائب ہو چکے ہیں۔

صادقین نے قرآن کی جس مؤثر اوردلنشین انداز میں خطاطی کی اس کی مثال نہیں ملتی۔بالخصوص سورہ الرحمٰن کی آیات کی خطاطی تو پاکستانی قوم کے لئے بیش قیمت سرمایہ ہے۔غالب اورفیض کے منتخب اشعار کی منفرد انداز میں خطاطی اور تشریح بھی ان کا ہی خاصہ ہے انہیں فرانس ،آسٹریلیااور بہت سے دوسرے ملکوں کی طرف سے بھی اعزاز سے نوازا گیا۔

عالمی شہرت یافتہ خطاط،نقاش اورمصور صادقین ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے جہاں وہ فن مصوری میں اپنا ثانی نہیں رکھتے وہیں اس

درویش صفت انسان کی شخصیت کا اہم پہلو ان کی رباعیات بھی ہیں ۔صادقین کو اپنی رباعیات سے بھی اتنا ہی عشق تھا جتنا کے اپنی خطاطی سے تھا۔رباعیات پر مشتمل ان کی دو کتب، ً رباعیات صادقین خطاط ًاور ً رباعیات صادقین نقاش ً کے نام سے چھپ چکی ہیں۔

تخلیق میں معتکف یہ ہونا میرا

اب تک شب ہستی میں نہ سونا میرا،

خطاطی ادھر ہے تو ادھر ہے نقاشی

وہ اوڑھنا میرا یہ بچھونا میرا۔

صادقین کا انتقال بھی ایک میورل بناتے وقت ہوا جب وہ فریئر ہال کی دیوار پر پینٹنگ میں مصروف تھے کہ اچانک چکرا کر گر پڑے اور 10 فروری 1987 کو کراچی کے ایک ہسپتال میں خالق حقیقی سے جا ملے۔انہیں سخی حسن کے قبرستان میں دفن کیا گیا۔

☆رشتوں میں توازن☆

تحریر: ثناء واجد۔

کہا جاتا ہے کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہے...... یہ عورت ہے کون جو مرد کی کامیابی کا سبب بنتی ہے ؟یہ عورت ماں ،بہن یا بیوی ہی ہے جو مرد کو کامیاب زندگی گزارنے میں اس کی بھرپور مدد کرتی ہے......

جس طرح کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے بالکل اسی طرح عورت کو پر اعتماد بنانے کے پیچھے ایک مرد کا ہاتھ ہوتا ہے ...... یہ مرد ہے کون جو عورت کو پر اعتماد بننے میں مدد دیتا ہے؟ یہ مرد باپ ،بھائی یا شوہر ہے جو عورت کو تحفظ دیتا ہے اور اس کے اعتماد کو بحال کرتا ہے ......

رب کائنات نے دنیا بنائی ہی ایک عورت اور مرد کے لیئے تھی تا کہ وہ ایک دوسرے کو سکون اور تحفظ دے کر متوازن زندگی کی بنیاد ڈال سکیں جو آنے والی نسلوں پر مثبت اثر ڈالے ......

جس طرح ایک مرد پر فرض ہے کہ وہ باہر کے کام سنبھالے اور محنت مزدوری کرے اور پیسے کما کر گھر میں لے کر آئے بالکل اسی طرح ایک عورت کا فرض ہے کہ وہ گھر کی دیکھ بھال کرے اور گھر کا خرچ دیکھ بھال کر چلائے ......

عورت و مرد ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں اگر ان دونوں جنس میں سے کوئی ایک بھی اپنی ذمے داریوں کو بخوبی نہیں نبھاتا ہے تو اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کی زندگی بھی غیر متوازن ہونا شروع ہو جاتی ہے جس سے اختلافات اور بے سکونی پیدا ہو جاتی ہے ......

آج کے اس مشینی دور میں جہاں پیسہ کی بڑی اہمیت ہے وہیں ہر ایک

اپنی زندگی میں مگن ہو کر رہ گیا ہے اور زندگی کی بھاگ دوڑ میں دوسرے کو پیچھے چھوڑنے کی کوشش کرتا ہے جس کی وجہ سے ہم آہستہ آہستہ اپنے رشتوں سے دور ہوتے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے بے سکونی زندگی پر اثر انداز ہوتی جا رہی ہے جس کا عملی ثبوت ہمیں اپنے معاشرے میں جا بجا برائی صورت نظر آرہا ہے ......

ہر انسان کی زندگی چند اہم عوامل پر منحصر ہے جس کا متوازن زندگی گزارنے کے لئے ایک دوسرے سے بڑا گہرا تعلق ہے اگر ہم ان عوامل پر بخوبی پورا کریں تو ہماری زندگی کسی حد تک کامیاب و متوازن گزر سکتی ہے اور رشتوں میں توزان بھی قائم رہ سکتا ہے اور حقیقت میں کامیاب زندگی بھی وہی ہوتی ہے ......

1: صحت

2: دولت و پیسہ

3:دین وروحانیت

4:خاندان/اہل خانہ

"صحت "

متوازن زندگی گزارنے کے لئے سب سے پہلے اپنی صحت کا خیال رکھنا ضروری ہے کیونکہ جب تک صحت اچھی نہ ہوگی تب تک کامیابی کی طرف ہمارا سفر شروع کرنا مشکل ہوگا......ویسے بھی ایک اچھی صحت کامیاب گھریلو زندگی کی ضامن بھی ہے جو کہ انسان کے ذہن کو پرسکون رکھتی ہے جس سے انسان کو مثبت سوچنے کا موقع ملتا ہے جو کہ کامیاب زندگی کے لئے پہلا قدم ثابت ہوتا ہے ...... کامیاب زندگی گزارنے کے لئے دماغ کا صحت مند ہونا بھی بہت ضروری ہے اس کے لئے ذہن کو ایک مثبت راہ پر رکھنا چاہیے کیونکہ ایک مثبت سوچ کامیابی کے کئی در کھولتی ہے ......

"دولت و پیسہ"

جب انسان اپنے ذہن کو مثبت راہ پر رکھتا ہے تو کامیابی بھی اس کا مقدر بن جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ دولت و پیسہ بھی مقدر میں شامل ہو جاتا ہے......لیکن یہ پیسہ اس وقت بالکل بے کار ہے جب آپ اس کو صرف اور صرف اپنی حد تک رکھیں کیونکہ حرص و لالچ انسان کو بے سکون بناتی ہے جو بے چینی یا ڈپریشن کی صورت میں انسان کے اندر سے نکلتا ہے...... جو غیر متوازن زندگی گزارنے کا سبب بن سکتا ہے......

"دین و روحانیت"

دنیا کے جھمیلے تو ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں لیکن کیا ہی بہتر ہو کہ اس کے ساتھ ساتھ اللہ کو بھی یاد رکھا جائے، اپنے ہر معاملے میں اس سے مدد مانگی جائے اور اس کے حضور پانچ وقت حاضری دی جائے اور اپنی

کمائی ہوئی دولت میں سے کچھ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جا کیونکہ زندگی کو با مقصد اور کامیاب بنانے میں دین و روحانیت کا بڑا اہم کردار ہے اور دماغی طاقت کے لئے کے لئے بھی ایک مثبت سرگرمی ہے......

ویسے بھی دنیا کو آخرت کی کھیتی کہا گیا ہے جو دنیا میں بوو گے آخرت میں وہی کاٹو گے......

اسلئے دنیا میں کامیابی کے ساتھ ساتھ آخرت کی کامیابی کے لئے بھی کوشش کرنی چاہیے......

"خاندان/اہل خانہ"

چاہے ایک عورت ہو یا مرد تنہا زندگی گزارنا مشکل ہے اور ایک خاندان کے بغیر ادھورا ہے......جو وقت آپ اپنے خاندان یا اہل خانہ کو دیتے ہیں وہ لمحات بہترین ہوتے ہیں یہ خاندان ہی ہے جو

آپ کو بامقصد زندگی گزارنے پر مجبور کرتا ہے اور کامیاب زندگی گزارنے کے لئے حوصلہ فراہم کرتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کے اہل خانہ سے زیادہ آپ کا مخلص اور کوئی نہیں ہوسکتا جو آپ سے محبت بھی کرتے ہیں اور آپ کے لئے ہمیشہ دعاگو بھی رہتے ہیں......اس لئے اپنے اہل خانہ کو ضرور وقت دیں کچھ ان کی سنیں اور کچھ اپنی سنائیں اور ان کو اس چیز کا احساس دلائیں کہ آپ کو ان کا خیال ہے اور ان کی وجہ سے ہی ایک کامیاب اور مکمل زندگی گزار رہے ہیں......

اگر ان تمام عوامل پر عمل پیرا ہونے کے لئے اعتدال سے کام لیا جائے تو زندگی تو کامیاب گزرے گی لیکن اس کے ساتھ ساتھ رب بھی راضی ہو جائے گا جو کہ آخرت کی کامیابی کے لئے بہت ضروری ہے ارشاد ربانی ہے کہ:

"اعتدال سے کام لینے میں خیر ہے......"

یاد رکھیے زندگی میں بہت کچھ ایسا ہوتا ہے جس کو زندگی میں برداشت کرنا پڑتا ہے ......کامیاب زندگی گزارنے کے لئے بہت کچھ سہنا پڑتا ہے کافی کٹھن فیصلے کرنے پڑتے ہیں کیونکہ زندگی کبھی آسان نہیں ہوتی ہے اور کٹھن راستے پر چلنے کا نام ہی زندگی ہے ......زندگی تو ہمارے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بھی آسان نہ تھی حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے محبوب بندے تھے ......

ایک کامیاب زندگی گزارنے کے لئے بعض دفعہ کڑوے فیصلہ کرنے پڑتے ہیں اور یہ اسی صورت ہو سکتا ہے جب احساس کا جذبہ موجود ہو اور صبر کا دامن مضبوطی سے پکڑیں رکھیں جو کہ آج نہ سہی لیکن آنے والے وقت میں سکون کا باعث بنتا ہے ......بعض دفعہ اپنے لئے اور بعض دفعہ دوسروں کے لئے زہر سے بھی زیادہ خطرناک فیصلے کرنے

پڑتے جو انسان کو بعض دفعہ جیتے جی مار دیتے ہیں کیونکہ انسان جن رشتوں کے درمیان رہتا ہے اگر ان میں توازن قائم نہ رکھ سکے تو اکثر گر جاتا ہے اور گر کر اپنے آپ کو ہی زخمی کرتا ہے ......

بقول شاعر:

اپنے لئے تو سب جیتے ہیں اس جہاں میں

ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا

☆☆☆

تحریر۔۔۔۔۔کہکشاں صابر

سیدنا غوث الاعظم دستگیر علیہ رحمۃ اللہ الاکرم

ایک باپردہ خاتون اپنے بچے کی لاش چادر میں لپٹائے، سینے سے چمٹائے زاروقطار رو رہی تھی۔ اتنے میں ایک نورانی چہرے والا بچہ دوڑتا ہوا آتا ہے اور ہمدردانہ لہجے میں اس خاتون سے رونے کا سبب دریافت کرتا ہے۔ وہ روتے ہوئے کہتی ہے، بیٹا! میرا شوہر اپنے لخت جگر کے دیدار کی حسرت لئے دنیا سے رخصت ہوگیا ہے۔ یہ بچہ اس وقت پیٹ میں تھا اور اب یہی اپنے باپ کی نشانی اور میری زندگانی کا سرمایہ تھا، یہ بیمار ہوگیا، میں اسے اس خانقاہ میں دم کروانے لا رہی تھی کہ راستے میں اس نے دم توڑ دیا ہے۔ میں پھر بھی بڑی امید لے کر یہاں حاضر ہوگئی کہ اس خانقاہ والے بزرگ کی ولایت کی ہر طرف دھوم ہے اور ان کی نگاہ کرم سے اب بھی بہت کچھ ہوسکتا ہے مگر وہ مجھے صبر کی

تلقین کر کے اندر تشریف لے جا چکے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ خاتون پھر رونے لگی۔ نورانی چہرے والے بچے کا دل پگھل گیا اور اس کی رحمت بھری زبان پر یہ الفاظ کھیلنے لگے، محترمہ! آپ کا بچہ مرا ہوا نہیں بلکہ زندہ ہے، دیکھو تو سہی وہ حرکت کر رہا ہے!"

دکھیاری ماں نے بے تابی کے ساتھ اپنے بچے کی لاش پر سے کپڑا اٹھا کر دیکھا تو وہ سچ مچ زندہ تھا اور ہاتھ پیر ہلا کر کھیل رہا تھا۔ اتنے میں خانقاہ والے بزرگ اندر سے واپس تشریف لائے، بچے کو زندہ دیکھ کر ساری بات سمجھ گئے اور لاٹھی اٹھا کر یہ کہتے ہوئے نورانی چہرے والا بچے کی طرف لپکے کہ تو نے ابھی سے تقدیر خداوندی عزوجل کے سربستہ راز کھولنے شروع کر دیئے ہیں! نورانی چہرے والا بچہ وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا اور وہ بزرگ اس کے پیچھے دوڑنے لگے۔ نورانی چہرے والا بچہ یکا یک قبرستان کی طرف مڑا اور بلند آواز سے پکارنے لگا،

اے قبر والو! مجھے بچاؤ!

تیزی سے لپکتے ہوئے بزرگ اچانک ٹھٹھک کر رک گئے کیونکہ قبرستان سے تین سو (300) مردے اٹھ کر اسی نورانی چہرے والے بچے کی ڈھال بن چکے تھے اور وہ بچہ دور کھڑا اپنا چاند سا چہرہ چمکاتا مسکرا رہا تھا۔ اس بزرگ نے بڑی حسرت کے ساتھ نورانی چہرے والے بچے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا،

بیٹا! ہم تیرے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتے۔ اس لئے تیری مرضی کے آگے اپنا سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

آپ جانتے ہیں وہ بچہ کون تھا؟

اس نورانی چہرے والے بچہ کا نام ..شیخ عبدالقادر..تھا اور آگے چل کر وہ غوث الاعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرام کے لقب سے مشہور ہوئے اور وہ بزرگ ان کے نانا جان حضرت سیدنا عبداللہ صومعی علیہ رحمۃ اللہ القوی تھے آپ کی پیدائش شب اول رمضان 470ھ میں ایران کے شہر گیلان میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام سید ابو صالح موسیٰ تھا۔ شیخ

عبدالقادر جیلانی کی ولادت سے چھ سال قبل ایک اکابرین حضرت شیخ ابو احمد عبداللہ بن علی بن موسیٰ نے فرمایا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ عنقریب ایک ایسی ہستی آنے والی ہے کہ جس کا فرمان ہوگا کہ

قدمی ھذا علی رقبۃ کل ولی اللہ

کہ میرا قدم تمام اولیاء

اللہ کی گردن پر ہے۔

تمام علماء واولیاء اس بات پر متفق ہیں کہ سیدنا عبدالقادر جیلانی پیدائشی ولی ہیں۔ آپ کی یہ کرامت بہت مشہور ہے کہ آپ ماہِ رمضان المبارک میں طلوعِ فجر سے غروبِ آفتاب تک کبھی بھی دودھ نہیں پیتے تھے اور یہ بات گیلان میں بہت مشہور تھی۔

ولد للاشراف ولد لا یرضع فی رمضان

یعنی سادات کے گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا ہے جو رمضان میں دن بھر دودھ نہیں پیتا۔

ایک مرتبہ بعض لوگوں نے سید عبدالقادر جیلانی سے پوچھا کہ آپ کو

ولایت کا علم کب ہوا؟ تو آپ نے جواب دیا کہ دس برس کی عمر میں

جب میں مکتب میں پڑھنے کے لئے جاتا تو ایک غیبی آواز آیا کرتی تھی

جس کو تمام اہلِ مکتب بھی سُنا کرتے تھے کہ

افسحو الولی اللہ

ترجمہ: اللہ کے ولی کے لئے جگہ کشادہ کردو۔

بچپن میں عام طور سے بچے کھیل کود کے شوقین ہوتے ہیں لیکن آپ

بچپن ہی سے لہوولہب سے دور رہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ

کلما ھممت ان العب مع الصبیان اسمع قائلا یقول الی یا مبارک

ترجمہ: یعنی جب بھی میں بچوں کے ساتھ کھیلنے کا ارادہ کرتا تو میں سنتا تھا

کہ کوئی کہنے والا مجھ سے کہتا تھا اے برکت والے، میری طرف آجا

ایک بار سرکار بغداد حضور سیدنا غوث الاعظم علیہ رحمتہ اللہ الاکرم دریا کی

طرف تشریف لے گئے۔ وہاں ایک نوے سال کی بڑھیا کو دیکھا جو زار

وقطار رورہی تھی۔ایک مرید نے بارگاہ غوثیت میں عرض کی،یامرشدی! اس ضعیفہ کا ایک اکلوتا خوبرو بیٹا تھا۔بے چاری نے اس کی شادی رچائی دولہا نکاح کرکے دلہن کواسی دریا میں کشتی کے ذریعہ اپنے گھر لا رہا تھا کہ کشتی الٹ گئی اور دولہا دلہن سمیت بارات ڈوب گئی۔اس واقعہ کو آج بارہ برس گزر چکے ہیں مگر ماں کا جگر ہے،بے چاری کا غم جاتا نہیں ہے، یہ روزانہ یہاں دریا پر آتی ہے اور بارات کو نہ پاکر رودھوکر چلی جاتی ہے۔حضور غوث الاعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کو اس ضعیفہ پر بڑا ترس آیا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعاء کے لئے ہاتھ اٹھادیئے۔چند منٹ تک کچھ بھی ظہور نہ ہوا۔بے تاب ہوکر بارگاہ الٰہی عزوجل میں عرض کی،یااللہ عزوجل!اس قدر تاخیر کیوں؟ارشاد ہوا،اے میرے پیارے!یہ تاخیر خلاف تقدیر وتدبیر نہیں ہے،ہم چاہتے تو ایک حکم کن سے تمام زمین وآسمان پیدا کردیتے مگر بتقضائے حکمت چھ دن میں پیدا کیئے،بارات کو ڈوبے بارہ سال بیت چکے ہیں،

اب نہ وہ کشتی باقی رہی ہے نہ ہی اس کی کوئی سواری، تمام انسانوں کا گوشت وغیرہ بھی دریائی جانور کھا چکے ہیں، ریزہ ریزہ کو اجزائے جسم میں اکٹھا کروا کر دوبارہ زندگی کے مرحلے میں داخل کر دیا ہے، اب ان کی آمد کا وقت ہے۔ ابھی یہ کلام اختتام کو بھی نہ پہنچا تھا کہ یکا یک وہ کشتی اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ بمع دولہا دلہن و براتی سطح آب پر نمودار ہوگئی اور چند ہی لمحوں میں کنارے آ لگی۔ تمام باراتی سرکار بغداد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ سے دعائیں لے کر خوشی خوشی اپنے گھر پہنچے۔ اس کرامت کو سن کر بے شمار کفار نے آ، آ کر سیدنا غوث الاعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا۔

غوث الاعظم علیہ رحمۃ اللہ الاکرم کا کنواں ایک بار بغداد معلی میں طاعون کی بیماری پھیل گئی اور لوگ دھڑا دھڑ مرنے لگے۔ لوگوں نے آپ کی خدمت میں اس مصیبت سے نجات دلانے کی درخواست پیش کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا، "ہمارے مدرسہ کے ارد گرد جو گھاس ہے وہ

کھاؤ اور ہمارے مدرسے کے کنویں کا پانی پیو۔ جو ایسا کرے گا ان شاء اللہ عزوجل ہر مرض سے شفاء پائے گا۔"

چنانچہ گھاس اور کنویں کے پانی سے شفاء ملنی شروع ہوگئی۔ یہاں تک کہ بغداد شریف سے طاعون ایسا بھاگا کہ پھر کبھی پلٹ کر نہ آیا۔

اے انسان، اگر تجھے محد سے لے کر لحد تک کی زندگی دی جائے اور تجھ سے کہا جائے کہ اپنی محنت، عبادت و ریاضت سے اس دل میں اللہ کا نام بسا لے تو ربِ تعالی کی عزت و جلال کی قسم یہ ممکن نہیں، اُس وقت تک کہ جب تک تجھے اللہ کے کسی کامل بندے کی نسبت و صحبت میسر نہ آ جائے۔

اہلِ دل کی صحبت اختیار کرتا کہ تو بھی صاحبِ دل ہو جائے۔

میرا مرید وہ ہے جو اللہ کا ذاکر ہے اور ذاکر میں اُس کو مانتا ہوں، جس کا دل اللہ کا ذکر کرے۔

تیرے بن جی نہ سکے (قسط نمبر ۲)

مصنف: نعیم سجاد۔۔ ۔۔۔(پہلی قسط کا خلاصہ)

ایک لڑکی، جو گھر کے حالات سے تنگ تھی ایک شہری لڑکے کے ساتھ بھاگنے کا پلان کرتی ہے، لیکن وہ اس کو دغا دے جاتا ہے اس کا ٹکراؤ دائم سے ہوتا ہے جو اس کو گھر لے آتا ہے۔ ایاز خان مکروہ شخصیت کے مالک ہیں ان کے دو بیٹے صائم اور دائم ہیں۔ بیوی وفات پا چکی ہے۔ ان کا ٹیکسٹائل انڈسٹری میں ایک بڑا نام ہے۔ صائم ایشاء کی طرف پیش رفت کرتا ہے۔

اس خوبصورت وادی میں پلوشہ اپنے اماں، ابا، بھائی گل جان کے ساتھ رہتی ہے۔ ان دنوں اپنے کزن شہریار کو وادی دکھانے میں

مصروف ہے جو ہفتہ بھر قیام کے لئے آیا ہوا ہے۔ وہ اس کی ملاقات اپنے خالا خالو سے کراتی ہے جو شہر یار سے بڑی محبت سے پیش آتے ہیں۔

راعنہ کو ڈبے میں بند چاکلیٹ اور سُرخ گلاب کسی انجان کی طرف سے ملتے ہیں۔ سہیلیوں کو بتانے پر وہ اس کا مزاق اُڑاتی ہیں۔

کائنات اپنی خالا اور اماں کے ساتھ ایک پُرانے محلے میں رہتی ہے، جو اس کو بالکل پسند نہیں۔ خالا کا ذہنی توازن درست نہیں۔ کائنات کالج میں پڑھتی ہے۔ محلے میں ایک بابا اس کو اپنے قدم سیدھے رکھنے کا کہتے ہیں مگر وہ خاطر میں نہیں لاتی۔

(اب آپ آگے پڑھیے۔)

سرد ہوا کی پھونک سی جسم میں سنسنا سی جاتی تھی۔ مری میں برف باری کی اطلاعات تھیں۔ وہ تینوں سوئیٹر اور مفلر لئے، ہاتھوں پر دبیز

دستانے چڑھائے پھر رہی تھیں، پیریڈ تو کوئی لینے کا دِل ہی نہیں کرتا تھا ۔ایک تو ڈیڑھ گھنٹے کا پیریڈ اور اوپر سے ٹیچرز کے فلسفے ۔صرف وہی ہی نہیں یونی کا ہر اسٹوڈنٹ ہی پریشان لگتا تھا اس موسم میں ۔کاش دھوپ آئے ۔۔یہی دھوپ جو وبالِ جاں لگتی ہے۔وہ تینوں بھی لائبریری میں داخل ہوئیں تو طلباء و طالبات کے جمِ گفگیر سے ان کا واسطہ پڑا۔ جوق در جوق اسٹوڈنٹ لائبریری میں موجود تھے۔کھانے پینے کی اجازت نہ تھی ورنہ تل دھرنے کی بھی جگہ نہ ہوتی ۔ان تینوں نے خالی ٹیبل کے لیے نظریں دوڑائیں، دور کونے میں دو خالی سیٹس نظر آئیں، تینوں اس طرف بڑھیں ۔اسٹوڈنٹس کا تو لائبریری سے جانے کا دِل ہی نہ کرتا تھا ۔،شاید لائبریری کے ہیٹرز کچھ زیادہ ہی اچھے لگے تھے ان کو۔تینوں ٹیبل پر پہنچیں تو کومل، ساشے،اور راعنہ ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں ۔کہ کون بیٹھے تیسری سیٹ تو ہے نہیں ۔

"چلو کھڑی ہی ٹھیک ہیں ۔کم از کم سردی تو نہیں ،ابھی اکتوبر ختم ہوا

ہے اور اتنی سردی۔ ابھی جنوری اور فروری تک تو ہم قلفی بن جائیں گی۔

''سا شے بے چاری۔

لائبریری میں سردی کی رمق تک نہ تھی جیسے اپریل کا سا موسم ہو۔ نہ زیادہ گرمی اور نہ ہی دسمبر کی سی سردی۔ ''کومل مجھے اطلاع ملی ہے کہ سر گیلانی جانے والے ہیں ان کی جگہ ان کے بیٹے آرہے ہیں جو آسٹریلیا میں رہتے ہیں۔ انہوں نے Ph.D in Nuclear Physics کر رکھی ہے۔ وہ پڑھائیں گے ہم کو۔'' سا شے بولی، راعنہ دیوار سے ٹیک لگائے اسٹوڈنٹس کو دیکھ رہی تھی جو لائبریری سے جانے کی بجائے گھستے ہی چلے آرہے تھے۔

''تم یہ اطلاعات کہاں سے لاتی ہو۔'' کومل نے سوالیہ انداز اپنایا۔

''بھئی تم بے خبر ہو تو میری کیا خطا؟ پوری یونی جانتی ہے بدھ کو Faculty سر گیلانی کو farewell پارٹی دے رہی ہے اور آج جمعہ ہے چار دن باقی ہیں پھر الیکٹریکل اور دوسرے ڈیپارٹمنٹس کے

اسٹوڈنٹس ان کے لئے پارٹی کا ارینج کریں گے نیو کلئیر کے بھی ارینج کریں گے شاید next فرائیڈے کو۔" اب کی بار راعنہ نے بھی توجہ دی۔

"کیا۔۔ یہ کیا۔۔ اب سر چلے جائیں گے تو جو نئے پروفیسر آئیں گے ان کو تو سمجھنے کے لئے کافی وقت چاہئے ہو گا۔" راعنہ فکرمند تھی، ساشے مسکرائی۔

"ارے چھوڑو بھی۔۔ سر گیلانی جا رہے ہیں تو اچھی بات ہے۔ قسم سے یونی کے کافی اسٹوڈنٹس میری بات سے اتفاق کریں گے کہ وہ اسٹوڈنٹس کو جہاں بھی دیکھتے، ہمیشہ ڈانٹتے ہی رہتے۔ اور مجھے تو نئے سر سمجھنے میں کوئی ٹائم نہیں لگے گا۔ تم تو ہو ہی conservative اور میں چینج مانگتی ہوں۔ اور ہاں ان کو پروفیسر نہ کہو وہ تو اٹھائیس سال کے ہیں صرف۔ ماشااللہ گولڈ میڈلسٹ ہیں۔"

"کیا تم نے ان کا سارا بائیو ڈیٹا نکلوالیا ہے؟" کومل بدمزہ ہوئی۔

''افوہ یہ بات چھوڑو۔بات تو سنو میری۔مجھے پتہ چلا ہے کہ وہ بھی سر گیلانی کی ہی فوٹو کاپی ہیں ذرا ذرا سی بات پر بے نقط سنا دیتے ہیں۔لیکن میں تو اب پورا ارادہ رکھتی ہوں، ڈانٹ کو بالکل خاطر میں نہیں لاؤں گی۔کوئی ینگ، ہینڈسم بندہ ڈانٹ بھی رہا ہو تو ایسا لگتا ہے جیسے کہ گلاب یا چنبیلی کا پھول مار رہا ہے۔ہائے۔'' سا شے سے جیتنا مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی تھا۔

''چلو کینٹین چلتے ہیں کوئی چائے وغیرہ پیتے ہیں۔'' راعنہ بولی تینوں نے بیگ صحیح کر کے کندھوں پر لٹکائے، ہاتھ رگڑے اور چل پڑیں۔سا شے اور راعنہ آگے تھیں جبکہ کومل ان دونوں کی پیروی میں چل رہی تھی کہ یکدم کومل کو زبردست ٹھوکر لگی۔ جو راعنہ اور سا شے سے ٹکراتی ہوئی سامنے لڑکیوں سے جا ٹکرائی۔وہ لڑکیاں بھی یکدم آفت پر بلبلا اٹھیں۔جبکہ سا شے اور راعنہ نے پلٹ کر دیکھا۔''سوری'' کومل لڑکیوں سے معذرت کرتی واپس مڑی۔

''اندھے ہو کیا نظر نہیں آتا تم کو کہ میں گزر رہی ہوں۔'' کومل اس لڑکے کے سر پر چڑھ دوڑی۔

''اے محترمہ تمیز سے۔'' لڑکا وارن کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

''کیا تمیز سے عقل ہے تم میں کہ نہیں ۔۔ خود تو تمیز سیکھو پہلے لائبریری میں بیٹھنے کی ۔۔ لائبریری تمہارے نام نہیں ہے جو یہاں تم سونے آجاتے ہو۔ سونا ہوتا ہے تو گھر آرام کیا کرو۔ مجھے سوری کرنے کی بجائے آگے سے مجھے ہی سنا رہے ہو۔'' کومل کو سخت غصہ آرہا تھا۔ شوز میں انگوٹھے کا ناخن درد کر رہا تھا شاید اکھڑ گیا ہو۔

''عزیز بی بی۔ آپ کسی ملک کی صدر نہیں جو آپ کے لئے ریڈ قالین بچھایا جائے ۔ اور آپ کے لئے دربان مقرر کر دیے جائیں لوگوں کو راستے سے ہٹانے کے لئے۔ نظر تو آپ کو نہیں آتا۔ نظر آتا ہوتا تو آپ میری یہ تین فٹ کی ٹانگ کوئی خوردبینی جاندار نہیں ہے جو آپ کو مائیکروسکوپ سے نظر آئے گی۔ خود تو تین فٹ لمبی ٹانگ

ایسے پھلانگ رہی تھیں جیسے اولمپک مقابلے میں بھرتی ہونے کے لئے تیاری کرنے کو اس سے بہتر جگہ مل ہی نہیں سکتی۔'' لڑکا جی بھر کر بدمزہ ہوا۔کومل کو تو حیرانگی ہوئی ایک تو راستے میں ٹانگ اڑا کر اس کو گرانے کی سرِ عام کوشش کی بلکہ عملی جامہ پہنایا اور اوپر سے اس کو ہی سنائے چلے جا رہا ہے الٹا چور والا حساب۔''میں نہ مانوں ہار۔''

''تم جیسے ڈھیٹ لوگوں سے توقع بھی نہیں کی جا سکتی کسی بہتری کی۔shameless، پہلے لڑکیوں سے بات کرنے کی تمیز سیکھ لو پھر مجھ سے بات کرنا۔۔آئی سمجھ میں۔؟'' کومل تو چھوڑنے کو بالکل راضی نہ تھی عجب لڑکا تھا، مقابلہ کیے جا رہا تھا بجائے یہ کہ سوری کہے ''اور تم سے کوئی پوچھے تم نے یہ چار فٹی بانس راستے میں کیوں لٹکایا ہوا ہے تو۔۔؟''

''میری مرضی۔'' لڑکے نے شانے اچکائے اور ہاتھ پینٹ میں گھسیڑے۔

''ارے کومل چلو بھی کیا تماشہ ہے۔۔'' ساشے اور راعنہ نے کومل کو

باہر کی طرف گھسیٹا۔ کافی اسٹوڈنٹس متوجہ ہو چکے تھے۔ ایک دو نے سیٹیاں بجا کر ان کو داد دی۔ لائیو شو دِکھانے پر، البتہ لائبریرین تک اطلاع نہ گئی تھی ایک تو لائبریری تھی ہی اتنی بڑی اور دوسرے وہ لوگ آخری کونے میں تھے۔ رش زیادہ تھا۔

”ہاں ہاں چلو یہاں سے۔۔“ لڑکا ہاتھ سے اشارہ کر رہا تھا۔ کومل کو تو سر سے لگی پاؤں پر بجھی۔

”چھوڑوں گی تو میں بھی نہیں تم کو اتنی آسانی سے خوب مزہ چکھاؤں گی تم کو یاد رکھنا۔ میرا نام بھی کومل دُراب ہے“ کومل وارن کرتی راعنہ اور ساشے کے ساتھ باہر کی طرف لپکی۔

”ہاں ہاں دیکھ لوں گا جاؤ، دماغ نہ کھاؤ۔“ لڑکا پھر لمبا لیٹ گیا۔

”ڈونٹ شاؤٹ۔“ لائبریرین کی آواز ان کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

”کیا ضرورت تھی تم کو اس بدتمیز سے ٹکرانے کی“ راعنہ نے کہا اور کومل کو راعنہ کی دماغی حالت پر شک ہوا۔

''میری دوست ہو کے تم اس کی سائیڈ لے رہی ہو۔ دیکھا نہیں، کیسا ڈھیٹ بنا جا رہا تھا۔'' کومل پھٹ پڑی۔

''ارے بھئی میں کیوں اس کی سائیڈ لوں گی۔ میں کہاں اس کو جانتی ہوں۔ میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ تم دیکھ لیتیں، تم نے بھی تو اس کو پھلانگنے کی کوشش کی یا سائیڈ سے ہو لیتیں یا پھر اس کو ٹانگ ہٹانے کا ہی کہہ دیتیں۔'' راعنہ نے وضاحت کی۔

''مجھے کیا پتہ تھا، میں تو تم دونوں کے پیچھے آ رہی تھی۔ کیا تم لوگوں نے اس کی ٹانگ کو دیکھا۔ اس نے مجھے گرانے کے لئے ٹانگ آگے رکھی۔۔ تماشہ بنانے کے لئے، لگاتی ناں میں چار، تو ہوش میں آ جاتا ساری عقل ٹھکانے آ جاتی اس کی الّو کی۔''

''ارے بھئی چھوڑو کیوں لڑ رہی ہو۔۔ فارگیٹ اِٹ۔ چلو کافی پیتے ہیں کینٹین جا کے۔'' ساشے نے معاملے کو ختم کرنے کی کوشش کی۔

''بس اب میں گھر جا رہی ہوں۔ مزید پیریڈ مجھ سے نہیں لینے ہوں

گے اور نہ ہی مجھ سے کچھ کھایا جائے گا بائے ۔۔کل ملیں گے'' وہ فوراً سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

''ارے رکو تو ۔۔'' لیکن کومل اب رکنے والی نہ تھی۔''یہ بھی ناں۔ میں نے اس کو پہلی بار اتنے غصہ میں دیکھا ہے کبھی اس نے ایسا react نہیں کیا۔تم نے دیکھا، ہماری دوستی کو آٹھ سال ہونے کو آئے ہیں غصہ سب سے زیادہ مجھے ہی آتا ہے۔باقی تم اور کومل، اور کومل تو ہے ہی کومل ۔۔اس کو تو غصہ میں کبھی نہیں دیکھا ،آج اسے دیکھ کر im shocked'' ساشے بولی۔

'اچھا چلو چھوڑو ریسٹ کر کے آئے گی تو خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔ چلو ہم کینٹین چلتے ہیں کومل اور راعنہ کینٹین کی طرف بڑھیں۔

''ویسے ساشے کیا یہ سچ ہے کہ سر گیلانی کی جگہ اس کے بیٹے آرہے ہیں۔'' راعنہ کو یقین نہ تھا۔

''ہاں بابا۔میں نے کبھی تم لوگوں سے جھوٹ بولا ہے کیا اور اس

جھوٹ سے مجھے بھلا کیا فائدہ ہونے والا ہے۔'' ساشے جھنجھلائی۔وہ اب کیمیکل ڈیپارٹمنٹ کے سامنے سے گزر رہی تھیں۔دو آنکھیں ان کا تعاقب کرتی چلی آرہی تھیں۔دونوں باتیں کرتی کرتی کینٹین پہنچ گئیں۔

''سچ میں ویسے سر گیلانی اچھا پڑھاتے تھے۔پتہ نہیں ان کا بیٹا کیسا پڑھائے گا۔'' راعنہ پریشان تھی اور ساشے کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ۔

☆☆☆

یادِ ماضی عذاب ہے یا رَب

چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

جوزی اور جوزف کٹر قسم کے عیسائی تھے، اپنے مذہبی فرائض میں کوئی غفلت برتنا ان کا شیوہ نہ تھا ان کے ماں باپ نے ان کو بہترین عیسائی بنا کر اپنے حصہ کا کام کر دیا تھا۔دونوں بچپن کے دوست تھے۔

اور اپنے مذہب کے خلاف سننا ان کے لئے ناقابلِ برداشت تھا ، جوزی کے فادران لوگوں کوان کے بچپن میں ہی داغِ معارفت دے گئے تھے ،جبکہ مادرحیات تھیں ،۔

جوزی سے پانچ سال چھوٹا ایک بھائی مائیکل تھا جو جسم میں کسی قسم کے disorder کی وجہ سے حتی المکان معذور تھا ، رال منہ سے ہر وقت ٹپکتی رہتی تھی ، منہ کولقوہ تھا اور حاجات بستر پر ہی پوری کرتا تھا۔ غوں غاں کرتا تھا مادر ہر وقت اس کے لئے فکر مند رہتی تھیں ، جوزی کی تو اس میں جان تھی ، وہ جب کبھی مائیکل کو دیکھتی ، اس کی آنکھیں نم ہو جاتیں ، لیکن یہ احساس اس نے مائیکل کے سامنے کبھی ظاہر نہ کیا ، بلکہ ہمیشہ اس کے ساتھ ہنستی مسکراتی جوزی آئی۔

وہ اپنے سارے غم جوزف سے شیئر کرتی تھی ، جوزف اپنے ماں باپ کا اکلوتا تھا ، اور والدین حیات تھے ، بینک میں ایک اچھی پوسٹ پر تھا۔ جوزی نے intermediate کے بعد ایک پرائیویٹ فرم میں

جاب شروع کر دی تھی ۔ جہاں مسلمانوں کی طرف سے بڑھتی چبھتی نظریں اور بے اعتنائی ہر گزرتے دن کے ساتھ زیادہ ہو رہی تھی پتہ نہیں مسلمانوں کو اس سے کیا پر خاش تھی کہ وہ سمجھ نہیں پاتی تھی لیکن وہ محنتی تھی ،اس کے باس مسلمان تھے لیکن انہوں نے اس کو مذہب کے حوالے سے کبھی تنقید کا نشانہ نہیں بنایا تھا، ظاہر ہے ان کو معلوم بھی تھا، کیوں کہ اس کی سی ۔ وی میں اس کے متعلق تمام معلومات درج تھیں لیکن انہوں نے اس حوالے سے اس کو کبھی کریدا نہ تھا، جس طرح یہاں کے بیشتر ورکرز اس سے نالاں رہتے تھے، اس سے عجب قسم کی الرجی تھی ان کو، پتہ نہیں جوزی ان کے لئے اچھوت تھی، کام کرتے اسے وہاں سال ہونے کو آیا تھا، اور گھر کے اخراجات وہ اور اس کی ماں مل کر اٹھاتی تھیں اور ساتھ ساتھ مائیکل کی بھی دیکھ بھال کرتی تھیں، ۔

ماں، مائیکل کے لئے ہر دم فکرمند رہتی تھیں کہ جوزی کی شادی کے بعد مائیکل کا خیال کون رکھے گا،، جوزف اور جوزفین ایک دوسرے کو

بچپن سے جانتے تھے جبکہ ان کے مزاج ایک دوسرے سے کافی مختلف تھے، کیوں کہ جوزی نرم مزاج تھی، جبکہ جوزف سخت مزاج تھا، جوزف کوئی فقیر کو دیکھتا تو اس کو دھتکار دیتا، وہ کہتا تھا کہ اگر ملک کو ترقی پذیر ممالک میں شامل کرنا ہے تو اس کے لئے بے روزگاری، دہشت گردی کے ساتھ ساتھ ان فقیروں کا حل بھی سوچنا چاہیئے، اس کے اپنے خیالات تھے اور کئی لوگ اس کے خیالات سے متفق بھی تھے،، یہ کام جوزی سے نہ ہوتا تھا، اس کا دل ہر ایک کے لئے نرم پڑ جاتا تھا،، کسی کی مشکل حل کرنی ہو، کسی کی مدد کرنی ہو جوزی ہر قدم آگے ہوتی تھی،۔

جوزف مائیکل سے بھی مل لیتا تھا لیکن جب کبھی مائیکل اس کے سامنے کھائی ہوئی اگل دیتا اور بستر گندہ کر دیتا، اس کے ٹیڑھے منہ سے رال ٹپکتی اور سارے میں بُو پھیلتی تو وہ عجب خلجان میں مبتلا ہو جاتا، گندگی اور گندے لوگوں سے اس کو خاص قسم کی چڑ تھی۔ وہ ناک پر رومال رکھتا یا ہاتھ سے بند کرتا کبھی کبھی تو برداشت کر کے سانس ہی روک لیتا اور باہر

جا کر خارج کرتا۔ جوزی، جوزف کی ان حرکات سے واقف تھی لیکن وہ نظریں چرا جاتی ، ایک طرف اس کا معذور بھائی تھا جو ہر وقت اس کے رحم وکرم پر رہتا تھا، اور دوسری طرف اس کا بچپن کا دوست جوزف تھا، دونوں کے بغیر اس کے لئے زندگی بیتانا، مشکل کیا ناممکن تھا۔

ان کا علاقہ گنجان آباد علاقے میں تھا، کافی عیسائی گھرانے بھی اس میں شامل تھے، کام کرنے کی جگہ اس کے گھر سے کچھ فاصلے پر تھی جہاں اس کے محلے کا تو چھوڑ اس کے جاننے والا کوئی کام نہ کرتا تھا، خاص کر کوئی عیسائی تو بالکل نہ تھا، وہ خوش رہنا جانتی تھی اور خوش رکھنا بھی، لیکن وہاں کام کرنے والے مسلمانوں کو پتہ نہیں اس سے کیا مسئلہ تھا اسے سمجھ نہیں آتا تھا، شاید اس کا مذہب اس کے لئے ناقابلِ قبول تھا، جبکہ وہ اس سے اخلاق سے پیش آتی تھی، کبھی سی سے بھی بدتمیزی کرنے تو دور کی بات، سوچا بھی نہ تھا۔

''یہ عیسائی ہے'' مسلمان آپس میں سرگوشیاں کرتے، ایسے جیسے

وہ عیسائی نہیں کوئی شیر ہو آدم خور جو جنگل سے بھٹک کر ادھر آنکلا ہو۔ ان سب باتوں کے برعکس، وہ اپنے آپ میں مگن رہنے والی ہی تھی، کبھی کبھی دُنیا سے اکتا جاتی، اس کے لئے مشکلات تھیں۔

اس کی ماں اس کو کہتی کہ اس کے مرنے کے بعد اپنے بھائی کا خیال رکھے، کیوں کہ اس کے سوا مائیکل کا کوئی بھی بہتر طریقہ سے خیال نہیں رکھ سکتا تھا، اور نہ ہی مائیکل کا ان دونوں کے سوا کوئی اور ہے، اور وہ ماں کو یقین دِلاتی تھی، کہ وہ اپنے سے زیادہ مائیکل کا خیال رکھے گی اور اس کی ماں کو اس پر یقین تھا، دونوں بہن بھائی میں بڑا پیار تھا، مائیکل اپنی مخصوص ''غوں غاں'' میں جوزی کی تعریف کرتا، کہ وہ اس کا بہت خیال رکھتی ہے، آنکھوں میں آتے آنسو بے بسی کی انتہا تھے، ڈاکٹرز کا کہنا تھا کہ اس ڈس آرڈر کا فی الحال کوئی علاج نہیں، یہ ساری زندگی بستر پر ہی گزارے گا، مائیکل کبھی جوزی کا ہاتھ چومتا تو کبھی اس سے خود فرمائش کر کے اپنے ہاتھ سے کوئی چیز مثلاً سیب وغیرہ کھانے کی فرمائش

کرتا، ہاتھ پاؤں میں گویا جان ہی نہ تھی تھوڑی دیر بیٹھتا تو تھک جاتا، حد پانچ منٹ، اس سے زیادہ بیٹھنے پر اس کو کمر درد شروع ہو جاتا۔

مائیکل بچپن سے ہی ایسا تھا، جب وہ دو سال کا تھا تو اس کو سخت بخار ہوا، اس کے بعد وہ ٹھیک تو ہو گیا، لیکن بہت کچھ پہلی حالت سے گیا، دو سال کی عمر میں وہ چلتا پھرتا بھاگتا تھا، لیکن بخار کے بعد وہ اٹھ کے بیٹھتا تو وہ بھی مشکل سے، تشویش ہونے پر ڈاکٹرز کو دِکھایا تو ڈاکٹرز نے یہی کہا کہ بخار میں زیادہ عرصہ رہنے کی وجہ سے کمزوری ہو گئی ہے، مائیکل تقریباً آٹھ ماہ بیمار رہا تھا، اسے لگتا تھا کہ سرسام ہو گیا ہے پھر تو حالت بگڑتی ہی چلی گئی ڈاکٹرز بھی پریشان تھے، ہر طرح کا ٹیسٹ کیا، ادویات دیں، لیکن مرض بگڑتا ہی چلا گیا، پہلے اٹھنے سے انکاری اور پھر ہاتھ پاؤں میں بھی جیسے جان ہی نہیں رہی، کوئی چیز پکڑنے بھی نہ ہوتی تھی، جوزی اور جوزی کی ماں اس کی اس حالت سے سخت کبیدہ خاطر تھیں، پہلے بولتا تھا، ماما، پاپا، کہتا تھا لیکن پھر زبان پر بھی اثر ہو گیا، اب

"غوں غاں" کے ذریعے ہی اگلے کو اپنی بات سمجھاتا، اب تو صرف دُعائیں ہی تھیں، باقی دوائیں تو چل ہی رہی تھیں، بڑا ہوتا گیا، زبان پر لقوہ اُتر آیا، رال ٹپکنے لگی، اب اس کے کپڑے اس ہی تبدیل کرتی تھی۔

اب مائیکل پورے پندرہ سال کا تھا جبکہ جوزی تئیس کے قریب تھی۔گھر بھر کی رونق مائیکل کو ہی گردانا جاتا تھا، دونوں دُکھی تو تھیں، لیکن مائیکل کی حالت دیکھ کر اب ان کو صبر ہی کرنا تھا، جوزفین کی ماں اکیلی تھی مائیکل سال بھر کا تھا، جب اس کا باپ وفات پا گیا تھا اس وقت جوزی کی ماں کو صرف جوزف کی ماں کرسٹینا نے ہی سہارا دیا تھا۔اب جوزی اور اس کی ماں God سے ہی مدد کی اپیل کرتی تھیں، انہیں کامل یقین تھا کہ یسوع ان کے لئے لازماً بہتری لائے گا۔

برادری نے جوزی کی ماں کو شادی کا بہت کہا کہ اکیلی وہ زندگی کیسے گزارے گی۔کوئی جیون ساتھی تلاش کرلو تا کہ زندگی آسان ہو جائے، لیکن اس نے سب سے بہت نرمی سے برتاؤ کیا اور ہمیشہ مسکرا کر

بھی کہا کہ میرا ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے جو میرا سہارا ہیں تو میں اکیلی کیسے ہوئی ہاں ایک اور بات یہ کہ جوزی کے فادر کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا اور وہ اس کی جگہ کسی کو دے بھی کیسے سکتی تھی۔ دوسرا باپ کیسا نکلتا کچھ پتہ نہ تھا، سو زندگی کی گاڑی ایسے ہی چل رہی تھی ،تو چلنے دینی ہی چاہیے تھی۔

جوزف بھی ان کے غم میں برابر کا شریک تھا، جوزف کے ماں باپ بھی ان کا حتی المقدور خیال رکھتے تھے،تو ایسے میں وہ اپنے آپ کو اکیلا کیسے تصور کرتی۔

کام والی جگہ پر اس کو صرف اتوار کو ہی چھٹی ہوتی تھی جس میں وہ عبادت بھی کرتی تھی اور گھر والوں کے ساتھ بھی وقت گزارا کرتی تھی ،شام چار تک آنے ہوتا تھالہذا جوزف سے بھی اس کی ملاقات ان چھ دِنوں میں بہت کم ہی ہوتی تھی اور کبھی ہوتی بھی تو معمولی علیک سلیک ہی ہوتی تھی اتوار کو وہ خاص طور پر جوزف کے ساتھ ڈنر کے لئے جاتی

تھی جوزف نے جوزی کا ہر پل ساتھ دِیا اور اس بات پر جوزی کو فخر تھا۔
وہ اکثر اپنی ورکنگ پلیس کے لوگوں کا رویہ بھی جوزف کو بتاتی تھی، جس
پر جوزف اس کو حوصلہ رکھنے کا کہتا تھا۔

ایک دِن وہ معمول کے مطابق کام کرنے کے لئے آئی لیکن تھوڑی
جلدی آ گئی تھی ابھی دفتر میں اکا دُکا لوگ ہی نظر آتے تھے۔ جو تھے وہ
بھی اکھڑے اکھڑے سے، تھوڑی دیر میں نیناں اس کے پاس آئی

''یہ تم محترمہ اتنی جلدی کیسے آ گئیں۔۔؟ آج ورنہ تو نو بجے ہی قدم
رنجہ فرماتی تھیں۔'' جوزی نے اطمینان سے اس کی بات سنی۔

''دراصل آج گھر میں اتنا کام نہ تھا اور ویسے بھی آج امی کو کام سے
چھٹی تھی اس لئے انہوں نے کہا کہ گھر کے کام وہ کر دیں گی تو میں آج
جلدی چلی آئی، تم بیٹھو تو۔۔'' خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتی اس نے نیناں
کو بیٹھنے کا کہا۔

''نہیں شکریہ، مجھے یہاں بیٹھنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ ویسے تم

جیسے لوگوں کو کام کرنے کی کیا ضرورت ؟ تم لوگ تو ویسے بھی لڑکوں پر ڈورے ڈال کر ان کو شکنجہ میں کر لیتے ہو اور پھر کسی جونک کی طرح ان کا سارا خون چیٹ کر جاتے ہو، پھر اتنی مغز ماری کی کیا ضرورت ۔‘‘ نیناں کی جلی ہوئی باتیں جوزی آرام سے سنتی رہی۔

’’سوری اگر مجھ سے کوئی غلطی ہوگئی ہے تو یسوع جانتا ہے میں نے کوئی کام ایسا نہیں کیا۔‘‘ جوزی سمجھی شاید کوئی کام غلط ہو گیا ہے اسی لئے نیناں سنا رہی ہے حالانکہ جوزی جانتی تھی ، اگر کام میں کوئی غلطی ہو بھی گئی ہے تو نیناں کے پاس ایسے کوئی اختیار نہیں کہ وہ ہر کسی کو کام میں کسی mistake پر سنا سکتی ۔ اگر کوئی غلطی ہو بھی جاتی تو بھی باس ہی کچھ کہتے ، ویسے ابھی تک ایسا کوئی موقع نہیں آیا تھا کہ باس اس کو سناتے اس نے ہر کام ہمیشہ اچھے انداز سے کیا تھا۔

’’ہاں غلطی تو ہوئی ہے تم سے تبھی تو سکندر صاحب ہر وقت تمہاری تعریف کرتے رہتے ہیں ، میں بچپن کی منگیتر تو ان کو نظر نہیں آتی ۔ ہر

پل جوزی یہ جوزی وہ کرتے رہتے ہیں۔ پتہ نہیں تم میں ہے کیا؟ ہو کیا تم سانولی سی، عیسائی، پتہ نہیں کیا ہے تمہارے پاس ہر مرد تمہاری ہی تعریف کرتے چلے جاتے ہیں۔ ہاں ہر مرد تمہاری تعریف کرے مجھے کوئی حرج نہیں لیکن سکندر۔۔ سکندر کو بھول کر بھی اپنے جال میں پھنسانے کی کوشش نہ کرنا۔ بتا رہی ہوں میں، اور جو میں کہتی ہوں وہ کر دیتی ہوں، آگ لگا دوں گی تم کو۔ زہر دے دوں گی تم جیسے گلی کے کیڑے ہی ہمارے معاشرے کے ناسور ہو، پتہ نہیں کہاں کہاں سے چلے آتے ہو ہماری زندگیاں برباد کرنے کے لئے اللہ کے لئے مجھے بخشو، بلکہ اللہ کا تم کو پتہ ہی نہیں، یسوع کی خاطر ہی۔۔ چلو سکندر پر اپنے جادو چلانے چھوڑو اور کسی اور جگہ جا کر کام کرو اور ہم کو بخش دو۔"

زہر ہی زہر، نفرت ہی نفرت نیناں آگ برساتی آگے نکل گئی اور جوزی بت بن کر رہ گئی اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

''آپا میری پیاری آپا۔'' سکندر آپا کے گلے لگا۔ آپا ہی تو اس کی کل کائنات تھیں۔ ماں، بن کے پالا تھا انہوں نے سکندر کو، حالانکہ وہ سکندر کی بڑی بہن تھیں۔ وہ اپنے لئے نہیں بلکہ سکندر کے لئے جیتی تھیں۔

''کیا بیٹا، کوئی کام ہے کیا۔'' وہ مسکرا دیں۔

''کچھ نہیں پوچھ رہا تھا کہ آج کیا بننے والا ہے۔''

''کس کا۔۔؟'' آپا نے سوالیہ انداز میں ابرو اچکائیں۔

''ارے بھئی کھانے میں۔ اور کس کا۔ آپ کے سمجھیں۔'' گلے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے وہ سامنے رکھے ہوئے موڑھے پر بیٹھ گیا۔

درخت پر فاختاؤں اور کوّوں نے شور مچایا ہوا تھا۔ سکندر نے درخت کی طرف دیکھا شاید کوّے فاختاؤں کے گھونسلے پر یلغار مچا رہے تھے۔

''جو تم کہو گے پکا دوں گی۔ تم کہو تو۔۔'' انہوں نے سوئی میں

دھاگا ناپا، اور قینچی سے کاٹا۔ پھر مشین سے الگ کر کے اس پر بٹن ٹانکنے لگیں۔

''آج تو میرا دِل کابلی پلاؤ دودھ ساس کھانے کا دِل کر رہا ہے ساتھ اگر رائتہ اور دَم والی سویاں ہو جائیں تو آپا کے وارے نیارے ہو جائیں۔'' وہ مزے سے بولا۔

''چل نکما۔ اچھا بتا شادی کب کرے گا اب تیری عمر ہے تو نوکری بھی رہا ہے۔ میں تو چاہتی ہوں تیری جلد از جلد شادی ہو جائے۔'' آپا کا ایک ہی بھائی تھا سو خواب دیکھنا تو بنتا تھا۔

''کیا کوئی لڑکی ڈھونڈی آپ نے میرے لئے۔'' آپا تھوڑی دیر کے لئے رکیں جیسے وہ سکندر کو جانچنا چاہ رہی ہوں۔

''ارے بھئی نیناں تمہاری منگیتر ہے کیا ہوا جو باقاعدہ بات نہیں ہوئی زبانی کلامی تو ہوئی ہے ناں۔ بس تو ہاں کہہ دے شادی کے لئے، دیکھنا وہ تو انتظار میں ہیں کب سکندرِ اعظم آتا ہے ان کی نیناں کو فتح

کرنے کے لئے۔آپا مزے سے بولیں اور دھاگا توڑا سکندر کوفت کا شکار ہوا۔

''آپا، کیا ہوگیا ہے آپ کو۔۔بچپن کی منگیتر یہ کیا بات ہوئی میں ان باتوں کونہیں مانتا۔'' آپا کو دھچکا لگا۔''اور ویسے بھی مجھے نہیں پسند وہ چالاک لُومڑی۔۔بات بے بات ٹانگ اڑانے والی وہ مجھ پر حکومت کرنا چاہتی ہے میں سکندر ہوں حکومت کرنا جانتا ہوں، حکومت کرانا نہیں۔'' آپا متوحش ہوئیں۔سکندر کے انداز مختلف تھے۔

''کیوں تم کو کوئی اور پسند ہے۔۔ ہے تو بتا دو، ہے کوئی نیناں سے پیاری اور فرمانبردار۔۔دیکھو زندگی تم نے گزارنی ہے جو ہوئی، بس تم سکھی رہو لیکن میرے خیال میں جہانگیر بھائی کی بیٹی بی بی بچی ہے میں جو کام کہو کر دیتی ہے ایک ٹانگ پر صبح شام کھڑی رکھو تو کھڑی رہے تیری بھی فرمانبردار رہے گی لکھ لو تم، جہانگیر بھائی کی بیٹی بڑی سیانی ہے، ابا جان نے تمہارا رشتہ طے کیا تھا، اور سب راضی بھی تھے تو کیا تم مرے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

ہوؤں کی وصیت توڑ ڈالو گے۔'' آپا نے سکندر کو سکے کے دونوں رُخ دِکھائے۔

فاختاؤں اور کوّوں کے شور میں چڑیاؤں کا شور بھی شامل ہو گیا ''تھڑک'' اور چڑیا کا ایک نومولود سا بچہ درخت سے نیچے جا گرا۔ جو زخم زخم تھا اور اپنی آخری سانسیں گِن رہا تھا، سکندر بھاگتا آیا، '' آپا یہ دیکھو۔ یہ چڑیا کا بچہ، شاید کوّوں نے اس کو مار گرایا ہے''

''ہاں بیٹا۔ یہ کون سی نئی بات ہے۔ یہاں آئے دن کبھی چڑیا کا تو کبھی فاختا کا بچہ مرتا ہے۔۔ یہی تو تم کو بتانا چاہتی ہوں کہ دوسروں کا کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ اپنی نسل اپنے خاندان سے بڑھ کر شاید ہی کوئی ہو، اگر کسی دوسرے سے وہ اُمیدیں وابستہ کر لی جائیں جو اپنوں سے رکھنی چاہئیں تو ان کا حال ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کہ یہ ان کا ہوتا ہے جیسے یہ چڑیائیں اپنی زندگی گزار رہی ہیں ۔ یہاں پہلے کوّوں کا گھر تھا پھر چڑیاؤں اور فاختاؤں نے گھر بنا لیا، اب کوے ان کی شراکت

برداشت نہیں کر پاتے، اس لئے کبھی چڑیا تو کبھی فاختہ کے بچے کو مار دیتے ہیں۔ٹھیک یہی ہمارے ساتھ ہوتا ہے بچے، جب غیروں میں رہو،تو پتہ نہیں وہ کیسا سلوک کریں۔محبت اور چاہت صرف اورصرف اپنوں سے ہی ملتی ہے نیناں اپنی ہے مارے گی بھی ناں تو چھاؤں میں پھینکے گی۔'' آپا زبیدہ نے پوری وضاحت سے جواب دیا۔

'' آپا آپ اور آپ کی منطق۔بات کو کہاں سے کہاں پہنچا دِیا۔ چڑیا کا بچہ مر چکا تھا اور سکندر نے افسردگی سے سر ہلاتے ہوئے چڑیا کے بچے کو اٹھا کر سامنے دیوار پر رکھ دیا۔'' آپا کیا میں اپنی زندگی ایک ایسی لڑکی کے ساتھ گزار سکتا ہوں جسے میں بالکل نہیں چاہتا جس سے بالکل بھی محبت نہیں۔رشتے تو آپ کے اس کے ساتھ بھی قائم ہو جائیں گے جس سے میں شادی کروں گا۔بے شک غیروں میں ہو اور آپا سب غیر ایک جیسے تو نہیں ہوتے اور غیر کیا۔ہم سب حضرت آدمؑ ہی کی تو اولاد ہیں مسلمان ہیں تو غیر کیا، محبت ہو تو غیریت خود ختم ہو جاتی ہے اور یہ

چڑیائیں اور فاختائیں ہیں بھی تو کووں سے بالکل مختلف ۔۔تو کوے ماریں گے ہی ناں ۔کوے ویسے بھی لڑاکے ہوتے ہیں ۔۔" آپا اٹھیں، کپڑے سمیٹے اب انہوں نے دن کے برتن دھونے تھے جوڑا مکمل ہو گیا تھا،

"سوچ لو یہ نہ ہو تمہارا واسطہ بھی ایسے کوؤں سے ہی پڑ جائے۔"

"نہیں آپا میں سمجھدار ہوں اپنا بُرا بھلا سمجھ سکتا ہوں میں جو کروں گا سوچ سمجھ کر ہی کروں گا۔اور ہاں بالکل آپ سے پوچھ کر آپ کی پوری رضامندگی کے ساتھ۔" آپا نثار ہو گئیں۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں میں تو تمہاری خوشی میں خوش ہوں تمہارے لئے تو میں جان بھی دے دوں۔" "نہیں آپا جان نہ دیں ابھی آپ کی بہت ضرورت ہے ۔ابھی آپ نے بہت سے کام کرنے ہیں میری شادی میرے بچے اور پھر میرے پوتے ، آپ کے بھی تو وہ پوتیاں پوتے ہوں گے ناں وہ۔" وہ مسکرایا۔

''ہاں ہاں بالکل۔'' آپا کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا۔

'' آپا، اب آپ شادی کر لیں۔ آپ شادی کریں گی تو آپ کے فوراً بعد میں شادی کر لوں گا۔ بس بہت ہو گئیں میرے لئے قربانیاں۔ اب آپ اپنی زندگی گزاریں آپ کی بھی تو کوئی زندگی ہے خواہشات ہوں گی گھر بنانے کی، اسے بسانے کی۔'' اب وہ آپا کو پکڑ کر چارپائی تک لایا۔ چڑیاں چپ ہو گئیں تھیں اور شور تھم گیا تھا۔

'' کر لوں گی پہلے تمہاری ہو گی۔ بھابھی دیکھ کر جاؤں گی۔ اور وہ بھی میرے لیے بھابھی کے ساتھ ساتھ بیٹیوں کی طرح بھی تو ہو گی۔ جس طرح میں نے تم کو ماں باپ کے بعد پالا، وہ بھی مجھے کم عزیز تو نہیں ہو گی ناں۔''

'' اچھا تو چلیں۔ پھر آپ کی درخواست پر بھی عمل کریں گے اور آپ کی خواہش جلد از جلد پوری کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن وہ نیناں نہیں کوئی اور ہے جس کے نام سے چشمے پھُوٹنے لگیں، مور ناچنے

لگیں، مُدھری بانسری کی لَے دُور جنگلوں بیابانوں کو آباد کرے، ہنسے تو کائنات ہنسے، مسکرائے تو کلیاں چٹخنے لگیں۔ چپ ہو تو دُنیا اُداس لگے بولے تو جیسے ساری دُنیا کے سر اور گانوں کا ساز صرف اس کی آواز میں ہی ہے ہاں اس کو دیکھ کر ایسا ہی لگتا ہے۔ جیسے وہ میری دُنیا ہے جو کو میں نے فتح کرنا ہے بالکل میری۔'' آپا پریشان ہو گئیں کہ اس کو کیسے سمجھائیں، اور اب پتہ نہیں یہ لڑکی ہے کون۔''

''اچھا ہمیں بھی تو ملواؤ اس سے ہم بھی تو دیکھیں ہمارے سکندر کی دُنیا کیسی ہے۔'' آپا مسکرائیں وہ بھاگتا ہوا آپا کے قدموں میں بیٹھا اور ہاتھ میں اپنے ہاتھ تھامے۔ ''اور آپا آپ اس کو دیکھیں گی ناں تو آپ بھی ماشااللہ کہہ اٹھیں گی بس آپا میرا تو آخری فیصلہ ہے آپ اُسے دیکھیے، مجھے یقین ہے وہ آپ کو نیناں سے بڑھ کر ہی نظر آئے گی۔''

آپا دل سے اداس ہوئیں، تو گویا سکندر واقعی نیناں کے علاوہ کسی اور کو پسند کرتا ہے یہ ہے کون؟

''اچھا تو ملواؤ ناں تب ہی تو دیکھ سکوں گی تا کہ بات بھی آگے بڑھائی جا سکے۔''

''ہاں ضرور۔ لیکن ابھی اس کے اپنے مسائل ہیں وہ اور اس کی اماں ہیں اس کا ایک معذور بھائی ہے بچپن سے لقوہ ہے، نہ اٹھ سکتا ہے نہ بیٹھ سکتا ہے انہی دونوں کے رحم و کرم پر ہے۔ ابو اس کے بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے۔ اس کی اماں اور وہ مل کر گھر کا خرچ چلاتی ہیں۔ وہ جہاں میں کام کرتا ہوں، وہاں ہی کام کرتی ہے۔ اکثر اس سے بات ہوتی رہتی ہے۔''

''افسوس ہوا ظاہر ہے گھر کے مرد نہ ہوں تو عورت کو ہی گھر سے نکل کر رزق تلاش کرنا پڑتا ہے، کافی باہمت لڑکی لگتی ہے۔ اچھا مجھے بتاؤ، کیا تمہاری اس سے اس سلسلے میں بات ہوئی کہاں رہتی ہے، کیا خاندان ہے۔'' آپا نے جو سوالات ذہن میں آتے تھے پوچھ ڈالے۔

''نہیں اس سے اس سلسلے میں ابھی تک بات تو نہیں ہوئی، ہاں وہ

گلشن ٹاؤن میں رہتی ہے۔خاندان کا مجھے پتہ نہیں کیسا ہے۔لیکن اس کو دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ اس کا خاندان بھی اس کی طرح شاندار ہی ہو گا۔ لیکن ایک مسئلہ ہے، پہلے میں چاہتا ہوں وہ حل ہو لے، پھر اس سے بات کروں۔پھر کہیں وہ مشکل میں نہ پڑ جائے۔''

''اچھا کیوں کیا مسئلہ ہے مجھے بتاؤ کیا پتہ میں تمہاری مدد کر سکوں۔''

''ہاں مسئلہ تو کافی گھمبیر ہے بات دراصل یہ ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہے وہ کرسچین فیملی سے ہے مطلب کہ اس کا خاندان عیسائی ہے۔''

''کیا۔۔'' آپا کو چھ سو وولٹ کا کرنٹ لگا۔''کافرنی۔۔تم کافرنی بیاہو گے سکندر۔۔یہ کیا ہوا ہے تم کو۔۔اُف خدایا۔'' آپا بڑی مشکل سے بول پائیں۔اور باقی الفاظ جیسے کہیں ہوا میں ہی معلق ہو کے رہ گئے

۔

اس وادی کے حسین نظارے ہمیشہ سے ہی سکوت پذیر تھے، خود ساکت تھے تو جو، ان کو دیکھتا وہ بھی ساکت ہی ہو جاتا تھا۔ شیری نے تقریباً ساری وادی کی ہی سیر کرلی تھی اور دُنیا میں ایسی جگہ بھی ہے اس کا اس نے تصور بھی نہ کیا تھا۔ بل کھاتے راستے، بلند سرکش پہاڑ، بہتے جھرنے، سرسبز و شاداب گھاس، جنگلی پھولوں اور اناروں کی بہتات، وادی ہنزہ بے شک پاکستان کی خوبصورت جگہوں میں شمار ہوتی تھی۔ وہ قبرستان دُعا کرنے گئے تھے ابھی آج شیری کو وہاں، چھٹا دِن تھا اور پرسوں اس نے چلے جانا تھا، جو وقت اس کا یہاں ہنزہ میں گزرا، بے شک اس کے لئے ناقابلِ فراموش تھا۔

''اچھا تم بتاؤ، تم کو ہماری وادی کیسی لگی۔'' پلوشہ نے ویسے ہی سوال کرلیا تھا۔ حالانکہ وہ جانتی تھی کہ یہ وادی اور کسی کو اپنے سحر میں گرفتار نہ کرے ہو ہی نہیں سکتا۔ ہمارا تو یہ مشورہ ہے کہ سخت سے سخت مزاج شخص بھی اگر یہاں لایا جائے تو قدرت کی اس رنگینی کو دیکھ کر یقیناً

اس کا دل بھی خوش ہو جائے گا۔اور وہ مسکرا اٹھے گا۔

''یہ تم پوچھ رہی ہو۔۔؟ میں تو کہتا ہوں کہ یہاں کی ایک ایک چیز سے عیاں ہوتا ہے کہ رب تعالی کسی چیز کو بھی بنانے میں کسر نہیں چھوڑتا، خوبصورت اُونچے پہاڑ، بہتے پانی کا شور، خوبصورت چڑیائیں، دھمکتے پھول، اور خاص کر کے یہاں کے مفت کے فروٹ۔ کس کس چیز کی تعریف کروں ہر چیز ہی اعلی ہے، صرف چیزیں ہی نہیں یہاں کے لوگ بھی بے حد نفیس اور اچھے ہیں۔تمہارے امی ابو، خالا خالو، گل جان اور سب سے بڑھ کر تم۔۔تمہارا بہت شکریہ تم نے مجھے اس خوبصورت وادی کی سیر کرائی بہت سی جگہوں پر جہاں زندگی میں، اگر میں آتا بھی تو شاید ان کی طرف نہ جاتا اور نہ ہی ان کے بارے میں جان پاتا۔ یہ سب تمہاری بدولت ہوا۔ یہ میری زندگی کے حسین دن رہے اور دل چاہتا ہے کہ ساری زندگی ادھر ہی بتا دوں۔لیکن اب میں نے جانا ہے اور جا کے کام کرنا ہے۔تمہاری نصیحت میں دم ہے۔'' شیری نے وادی کی

خوبصورتی کو اعلیٰ پیرائے میں ڈھالا۔ اور ساتھ ہی پلوشہ کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے لئے یہ ایک جذب کی سی کیفیت تھی۔

"ہاں بالکل تم نے کوئی کام کرنا ہے اگلی بار تم آؤ تو پتہ چلے کہ تم اپنا کماتے ہو اپنا کھاتے ہو، کسی پر بوجھ نہیں، اور یہ تم میرا شکریہ کیوں ادا کر رہے ہو، اس میں شکریہ کی کیا بات، میں کوئی تمہاری گائیڈ نہیں کہ جو تم میرا شکریہ ادا کرو اور مجھے پے (pay) کرو۔ میں تمہاری کزن ہوں تم سو بار آؤ تو بھی تمہارے آنے پر ایسی ہی خوشی ہو گی جیسا کہ اب ہو رہی ہے۔ دراصل میری کوئی سہیلی ہے نہیں، اور یہاں تم لوگوں کے گھر دیکھ سکتے ہو۔ کتنے دور ہیں، ایک دوسرے سے، اس سے یہ نہ سمجھ لینا ہم لوگوں میں فاصلے ہیں ایک پکار پر پورے پہاڑ چل پڑتے ہیں۔ شہر کے لوگوں کی طرح نہیں کہ گھر ساتھ ساتھ ملے ہوئے ہیں اور پتہ ہی نہیں کہ ساتھ والے گھر میں کیا ہو رہا ہے، ہم سب اتفاق سے رہتے ہیں بے شک ایک دوسرے سے دور ہوں، دل تو پاس ہی ہیں ناں،

پلوشہ مسکرائی، اور شیری اس کا مشکور ہوا۔

''بہت شکریہ۔ اچھا یہ بتاؤ، تم ہماری طرف نہیں آؤ گی کبھی لاہور میں۔'' شیری نے لگے ہاتھوں دعوت بھی دے ہی ڈالی، پوچھنے کے سے انداز میں۔

''نہیں، مجھے کہیں جانے کا شوق نہیں، جیسا کہ میں نے تم کو پہلے بھی بتایا تھا۔ آج میں تم کو ایک بات بتا رہی ہوں جو میں نے آج تک کسی کو نہیں بتائی۔ ابو، امی، خالا، خالو، گل جان کسی کو بھی نہیں۔ مجھے تو لگتا ہے کہ میری موت جو ہو گی وہ بھی پہاڑوں میں ہی ہو گی۔ تمہیں پتہ ہے ایک دفعہ، جب میں میٹرک میں تھی تو میری ایک کلاس فیلو ہاتھ دیکھا کرتی تھی اور کہتی تھی میں جو کہوں 90% درست ہوتا ہے۔ میں اپنا ہاتھ اس کو نہیں دکھانا چاہتی تھی لیکن باقی کلاس فیلوز کے اصرار پر دکھا دیا، اس نے مجھے بتایا کہ کوئی تم کو دل سے چاہے گا، لیکن تم کو خبر نہیں ہو گی اور جس کے پیچھے تم بھاگو گی وہ تم کو توجہ نہیں دے گا۔ مزید کہ تم دل

برداشتہ ہو کے خودکشی کی کوشش کروگی اور میں نے اس کو پتہ ہے کیا کہا،
میں نے کہا ہاں وہ جو ہنزہ کا سب سے پُرانا، ہزاروں سال پُرانا قلعہ (
Altit fort) ہے ناں میں اس پر سے کود کر جان دے دوں گی میں
نے مزاق کیا اور سب ہنسنے لگیں۔۔۔" وہ اس وقت ایسی لوکیشن میں
بیٹھے تھے کہ ایک طرف آہستگی سے گرتا پانی، اور سامنے دور ایک لیڈی
فنگر ٹائپ کا پہاڑ، جو برف سے لدا ہوا تھا، بالکل روئی کے گالوں کی
طرح دِکھتا تھا، موجود تھا۔ پلوشہ نے شیری کو Baltit Fort کی سیر
بھی کرائی تھی۔ جو واقعی ایک شاہکار تھا۔ ایک چوٹی پر پتھروں سے بنا ہوا
وہ فورٹ سب چیزوں میں نمایاں تھا۔ برف سے ڈھکا ہوا سامنے کی
طرف مختلف حصوں میں بنی سیڑھیاں لگتا تھا کسی نے ڈیکوریشن پیس بنا
کر رکھا ہو، لیکن وہ حقیقتاً موجود تھا۔

"ایسا کیوں کہتی ہو۔ اللہ نہ کرے ایسا ہوا بھی ناں تو میں تم کو بچا
لوں گا۔ تم اتنی بھی فالتو نہیں ہو۔" میں نے مزاق کیا اور سب ہنسنے لگیں۔

۔۔" وہ اس وقت ایسی لوکیشن میں بیٹھے تھے کہ ایک طرف آہستگی سے گرتا پانی، اور سامنے دور ایک لیڈی فنگر ٹائپ کا پہاڑ، جو برف سے لدا ہوا تھا، بالکل روئی کے گالوں کی طرح دِکھتا تھا، موجود تھا۔ پلوشہ نے شیری کو Baltit Fort کی سیر بھی کرائی تھی۔ جو واقعی ایک شاہکار تھا ۔ایک چوٹی پر پتھروں سے بنا ہوا وہ فورٹ سب چیزوں میں نمایاں تھا۔ برف سے ڈھکا ہوا سامنے کی طرف مختلف حصوں میں بنی سیڑھیاں لگتا تھا کسی نے ڈیکوریشن پیس بنا کر رکھا ہو، لیکن وہ حقیقتاً موجود تھا۔

"ایسا کیوں کہتی ہو۔ اللہ نہ کرے ایسا ہوا بھی ناں تو میں تم کو بچا لوں گا۔ تم اتنی بھی فالتو نہیں ہو۔"

"اتنی بھی ۔۔" پلوشہ نے لفظوں کو لمبا کیا اور خوب ہنسی۔ شیری نے پلوشہ کو دیکھا۔ سبز فراک میں وہ اسی سبزے کا حصہ معلوم ہوتی تھی، پتہ نہیں شیری کے دل یں کیا جذبات تھے، خود اسے ہی سمجھ نہیں آتا تھا۔

"اچھا سنو۔۔ چلو گھر چلیں ۔۔" خوب ہنسنے کے بعد پلوشہ نے

فراک سمیٹی تو شیری ہوش میں آیا۔

''ایک بات تو سنو۔۔تم نے کہا تھا کہ تم تصویر بھی بہت اچھی بناتی ہو تو ایک عدد میری بھی ہو جائے''

''ارے ہاں۔۔ مجھے تو ذہن میں ہی نہیں رہا۔ ہفتہ بھر ہو گیا میں نے تو کوئی ڈرائنگ بھی نہیں بنائی، چلو تمہاری ٹرائی کرتی ہوں۔''

''ڈرائنگ کیا مطلب۔۔؟تم کارٹونوں جیسی شکل بناؤ گی میری۔ پھر چھوڑو اچھی خاصی شکل ہو کارٹون بنا دو تو کیا فائدہ۔۔''شیری نے خفگی سے بُرا سا منہ بنایا۔

''اس طرح کا منہ بناؤ گے تو کارٹون ہی بنو گے ناں تم۔ اچھا چھوڑو میں مزاق کر رہی ہوں۔ چلو سارا سامان گھر ہے، وہ لاتے ہیں اور کسی خوبصورت سی جگہ جا کر میں تمہاری پورٹریٹ بناتی ہوں۔ مجھے یقین ہے تم آج ایک عظیم آرٹ ورکر سے متعارف ہوں گے۔

''ہائے۔۔'' کومل نے دور سے دونوں سے ہوائی رابطہ کیا۔ دونوں مونگ پھلی سے نبرد آزما ہو رہی تھیں۔ ویسے کھانے کو تو اور بھی بہت سوغاتیں تھیں لیکن مونگ پھلی جلدی جلدی ختم جو نہیں ہوتی۔ دونوں نے خوب گُس کے سویٹرز پہن رکھے تھے۔ خنکی تھی لیکن بہر حال بارش کے دور دور تک کوئی آثار نہ تھے، دُھوپ سی تھی مہربان سی، میٹھی سی۔ دونوں خود کو سینک رہی تھیں۔ یونی جلدی آ گئی تھیں اور پھر کیمیکل ڈیپارٹمنٹ کے لان میں بیٹھ کر کیفے ٹیریا سے لائی ہوئی مونگ پھلی کھانے لگی تھیں، اور بھی اسٹوڈنٹ تھے، جن میں سے کوئی ہاتھ رگڑ رگڑ کر سردی کے احساس کو کم کرنے میں لگا تھا تو کوئی کینوؤں کو دانتوں سے کترنے کے شغل میں مشغول تھا۔

''ہائے کیسی ہو۔'' دونوں نے مسکراتے ہوئے کومل کو خوش آمدید کہا۔ کومل بھی ساتھ بیٹھ گئی۔

''کیسی ہو دونوں ۔۔میں فِٹ ہوں۔''ہاتھ مونگ پھلی سے بھرا۔

''ہم بھی ٹھیک ہیں اور سناؤ غصہ اتر گیا۔'' ساشے نے گڑے مردے اُکھاڑے۔

''چھوڑو بھی ساشے کس قصے کو لے کے بیٹھ گئی ہو۔'' راعنہ اکتا گئی۔

''ویسے کہتی میں ٹھیک ہوں لڑکا ٹھیک ٹھاک ہینڈسم تھا میں تو مر ہی جاتی۔''

''تو اب مر جاؤ کس نے روکا ہے۔''

''میں نے مرنے کا نہیں۔کسی پہ مرنے کی بات کی ہے۔ارے بھئی ہماری کومل بھی تو کوئی کم نہیں شہزادی ہے شہزادی۔لڑکا لٹو کیسے نہ ہوتا،ہائے سچی ایسی سچوئیشن تو مجھے بہت ہی فیسینیٹ کرتی ہے۔ساشے مزے لے لے کے بولی۔کومل جہاں بدمزہ ہوئی وہاں راعنہ بھی بجھ سی گئی۔ساشے ان کی بات سننے والی نہ تھی ۔

''واہ کیا ارشاد ہیں ساشے محترمہ کے کیوں نہ کوئی تمغہ ہی پہنا دِیا جائے آپ کو۔ ہائے داوے اگر لڑکا ہینڈسم تھا تو کہو، تمہارے تعلقات بڑھاؤں اس کے ساتھ۔'' کومل نے ایسے چبا چبا کر کہا جیسے دانتوں تلے کوئی رسیلی گاجر چباتا ہے۔

'' کہاں ہماری ایسی قسمت ۔۔ تمہارے ہوتے ہوئے اور اس راعنہ کے ہوتے ہوئے مجھے کوئی گھاس ڈال جائے۔ ویسے میرا ہیرو بھی تو کہیں ہوگا۔ تم دونوں کو تو ویسے بھی شہزادے مل گئے۔''

''کیا کہا کس کو شہزادہ ملا ۔۔ خبر دار مجھ سے کوئی لڑکا منسوب کیا تو ۔۔ زہر لگتے ہیں یہ مجھے۔ بدتمیز ہٹ دھرم ۔۔'' کومل تیخ پا تھی مونگ پھلی میں ذائقہ تھا اور نہ ہی دِلچسپی ۔ طلوع ہوتا سورج عجب تمکنت لئے ہوئے تھا۔

''چھوڑو یار ۔۔ change the topic یہ بتاؤ نئے سر کب سے آرہے ہیں۔ اور سر گیلانی کا تو شاید۔ بُدھ کو۔ تم کو نے کہا تھا ناں

،،آخری دِن ہے ان کا۔آج سوموار ہو گیا۔''

''ہاں آ جائیں گے ویسے تم بڑی پوچھ رہی ہو،'' ساشے کسی کو بخشتی کہاں تھی۔

''چلو کچھ چینج تو آئے گا سر گیلانی کی بور کلاسز۔۔نیوکلیئر ہے یا کوئی پینیڈورا باکس جو کھلتا ہی چلا جاتا ہے، نیوکلیئر سے فشن، فیوژن سے چین ری ایکشن، چین سے بائنڈنگ انرجی پتہ نہیں کیا الا بلا ہے ارے بھئی ہم کیا کریں گے MS میں یہ کرکے۔''

''نہ اور کیا کرنا ہے تم نے MS Nuclear میں۔۔یہی کچھ ہوتا ہے محترمہ۔۔'' راعنہ نے ساشے کی معلومات میں اضافہ کیا۔

''عشق، محبت کی باتیں تو ہونے سے رہیں۔''

''پتہ نہیں یہ نئے سر کب آئیں گے۔'' ساشے فکرمند تھی۔

''کہہ رہے ہیں منڈے سے آئیں گے اچھا ہمارے ڈیپارٹمنٹ والے کب دے رہے ہیں فیئر ویل پارٹی۔infact second

semester والے۔''

''میرے خیال میں جمعرات کو۔ ہے تو سر کا بُدھ کو آخری دِن لیکن ابھی اسٹوڈنٹس کی فرمائش پر جمعہ تک رُک رہے ہیں۔ اچانک اِرادہ بن گیا سر گیلانی کے جانے کا غم کسی بے وقوف کو ہی ہو گا۔ رسماً تو سب نے پارٹی کرنی ہی ہے ناں۔''

''بدتمیز۔۔'' راعنہ مسکرائی۔ ساشے ان کے گروپ کی جان تھی۔

''اچھا ایک اور بُری خبر بھی سن لو۔ annual music concert ہو رہا ہے یونی میں، کون پارٹی سپیٹ کرے گا۔'' ساشے نے کہا۔

''نہیں بھئی ہم کو تو معاف ہی رکھو۔'' کومل بولی۔

''یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے تم CR کلاس کی تم ہی تو گروپ بناؤ گی۔ میں تو کہتی ہوں participants میں راعنہ کا نام بھی لکھ لو۔'' ساتھ ساتھ مشورہ۔

”چپ کرو۔خود ناچنا ناں میرا نام کیوں۔۔خبر دار۔“

”ہاں ویسے کہا تو تم نے ٹھیک ہی ہے،راعنہ میں بہت ٹیلنٹ ہے ۔کوئی اس حوالے سے ابھی تک ذہن میں نہ تھا چلو ایک پارٹیسپنٹ تو فائنل ہوا۔مجھ سی ۔آر کو تو پتہ نہیں ۔ساشے محترمہ کو سب پتہ ہے۔“ ساشے نے دوسرے کان سے اُڑادی۔

”شاید نومبر کے اینڈ تک۔“

”اچھا چلو۔دیکھتے ہیں۔“

”ہائے میں تو سر کا انتظار کر رہی ہوں پتہ نہیں کب آئیں گے۔“

”چلو اب فرسٹ کلاس کا ٹائم ہونے والا ہے۔اور خبر دار میرا نام بھی لیا کانسرٹ کے لئے تو۔میں نہیں گانے والی،تم لوگوں کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کرنا بھی عذاب ہے۔“انہوں نے بیگ سمیٹے اور مونگ پھلی کا شاپر راعنہ نے اپنے پرس میں ڈالا جو انہوں نے کسی فری ٹائم کھانی تھی۔

''وہ تو بعد میں دیکھا جائے گا ناں۔ کیوں کومل۔'' شاسے نے راعنہ کو تنگ کیا۔

دو آنکھوں نے منظر دیکھا اور کاغذ لپیٹا اور سامنے والی لڑکی کے ماتھے کا نشانہ لے کر دے مارا۔ نشانہ صحیح بیٹھا۔

''اُف'' راعنہ نے سختی سے آنکھیں میچیں۔

''کیا ہوا راعنہ۔'' راعنہ نے سامنے دیکھا کوئی نہ تھا۔

''یہ کاغذ کسی نے مارا ہے۔'' اس نے کاغذ ہاتھ میں رکھ کر کہا۔

''کہیں یہ کوئی نیا طریقہ تو نہیں اظہارِ محبت کا۔ پہلے گمنام نے چاکلیٹ بھیجی پھر اس طرح ہوائی رقعہ۔۔قصہ کیا ہے، چلو اس سے یہ تو کنفرم ہوا کہ یہ کوئی یونی کا ہی مُنڈا ہے۔'' ساشے نے اپنے خیالات کا اظہار کھلے عام کیا جمہوری دور۔

''کھولو تو اس میں لکھا کیا ہے کیا پتہ کوئی چاکلیٹ ہی ہو۔'' ایک نمبر کی شرارتی۔

کومل نے کاغذ راعنہ کے ہاتھ سے لیا۔ راعنہ بھی کھڑی ہو گئی۔ صبح کا سورج گرمی دے رہا تھا جبکہ زمین کے لوگ بارش کی فریاد کر رہے تھے۔ کاغذ دھاگہ میں لپٹا تھا اور اندر ایک خالی کاغذ لپیٹا گیا تھا دور تک مار کرنے کے لیے۔۔"

"اوہ چلو جی۔ ڈراپ سین یہیں ہونا تھا ہیرو صاحب تو آپ کو نمبر دے گیا ہے اب اس کو سنبھال لو۔" کومل مسکرائی راعنہ نے لپک کر دیکھا کوئی نمبر درج تھا۔

"بہت بدتمیز ہو۔ دیکھنا اب اس کو میں کیسا مزہ چکھاتی ہوں۔" راعنہ نے دانت پیسے۔

"نہیں نمبر مجھے دو ویسے بھی رانگ نمبر پر پہروں بات کرنے کا مجھے بہت شوق ہے۔" ساشے شرمائی۔

"بھاڑ میں جاؤ۔" راعنہ نے رقعہ کومل سے چھینا۔ اور "چلو" تینوں کلاس کی طرف بڑھیں۔

''اب کہاں ہم کو لفٹیں ۔اب تو نمبر بھی مل گیا۔ہاہاہاہا۔''

''بکومت ۔''راعنہ نے انکھیں دِکھائیں۔

''ویسے صحیح مرمت کرنا اس کی ذرا شرم نہیں آتی ان لڑکوں کو لڑکیوں کو چھیڑتے ہوئے۔''کومل کو بھی حد درجہ غصہ تھا۔

''تم اپنے والے سے نپٹ لو یہی بہت۔وہ تو تم کو ٹھینگا دِکھا گیا۔وہ لائبریری والا''

''میں میں بھولی نہیں ۔۔اپنی بے عزتی ،بدلا جو لوں گی تم بھی دیکھ لو گی اور وہ بھی دیکھ لے گا۔،بدتمیز کہیں کا میرا نام کومل ہے اندر سے لوہے کی طرح سخت ہوں۔فکر نہ کرو۔آگے آگے دیکھو ہوتا ہے کیا''

''Lets see۔''ساشے نے کندھے اچکائے۔تینوں سیڑھیاں چڑھ گئیں۔راعنہ نے کاغذ بیگ میں ڈالا۔دو ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

تجھ سے ملنے کے سپنے ہیں ہزاروں
خدا تجھ سے بچھڑنے کے خواب نہ دیکھائے۔

تاج پر چمکتے زمرد و روبی اپنی قسمت پر نازاں تھے۔ جڑے ہوئے قیمتی رنگین پتھروں اور سونے کی تاروں سے کیا گیا کام تاج کو دلکش بنا رہا تھا۔ عین سر سے کچھ چوٹی پر اس تاج کے بالکل سامنے کسی پرندے اک پر دھنسا ہوا تھا شاید مور۔ جو لباس زیبِ تن کیا گیا تھا، بالشنہ حسین و بیش بہا تھا یہ خاص طور پر ملکہ کے لئے ایران سے آیا تھا سرخ خوبصوعت لباس، جو تاریخ کو واضح کرتا تھا یہ ایک ایسا ہی فراک تھا جیسا پُرانے زمانے میں انارکلی اور اکبر کی بیوی وغیرہ پہنتی تھیں۔ کھسے بھی حسین تھے، جو ملکہء عالیہ کے لئے تخت بنایا گیا تھا یہ بھی نہایت خوبصورت تھا، سونے سے کیا گیا کام، نہایت نفیس تھا۔

تخت کے دونوں اطراف، دو، دو کنیزیں کھڑی ملکہء وقت کو پنکھ

جھول رہی تھیں۔ ایسے میں درباری سامنے کھڑے تھے، اور اہم معاملہ

زیرِ بحث تھا۔ جیسا خوب صورت تاج، تخت، ولباس تھا، ویسی ہی حسین

ملکہ تھی اپنے حسن پر نازاں گلابی مہکتی، دھمکتی کلی سی، ذرتار کا خوب

صورت دوپٹہ سر پر تانا گیا تھا۔

"ملکہء عالیہ ہم آپ کا حکم بجا لاتے ہیں بے شک اگر یہ کام

درباری خورشید کا ہے تو اسے اس کے لئے سزا بھگتنی ہو گی ہم ملکہء عالیہ

کی شان میں گستاخی برداشت نہیں کر سکتے۔ آپ تو ہمارے محل کی رونق

ہو، نہایت مہربان اور رحم دِل۔" درباری شان میں قصیدے پڑھے جا

رہا تھا۔ وہ سمجھتا تھا ملکہ کے مزاج کو، بس تعریف ہی کرتے چلے جاؤ،

بے شک جھوٹی ہی سہی۔ ملکہ اپنی کوئی غلطی ماننے کو تیار نہ تھی۔

"بہر حال اب جو بھی فیصلہ ہونا ہے، اب جلد ہو گا ہم بادشاہ

سلامت کا انتظار کر رہے ہیں، جب وہ آئیں گے تو ان سے مشاورت

کی جائے گی کہ کیا کِیا جائے کیوں کہ محل میں یہ بدامنی ہمارے قانون و حکومت کے خلاف ہے ہماری سلطنت ان چیزوں کی پُر زور مذمت کرتی ہے ایسے میں تو ہمارے ملک کا نظام بگڑ جائے گا اور ہمارے دُشمن تو ایسی ہی چالیں سوچے ہوئے ہیں۔ درباری کا جرم ثابت ہو جانے پر اس کو بیچ چوراہے اُلٹا لٹکایا جائے گا تا کہ آئندہ کوئی اس طرح کے فعل سے باز رہے۔''

''بالکل۔ بالکل ملکہء عالیہ اب ہمیں اجازت ہے ملک کے دوسرے معاملات بھی دیکھنے ہیں ہم نے۔۔''

''ہاں تخلیہ۔۔'' ملکہ نے ایک ناز سے کہا۔ درباری جاتے ہوئے اپنے سر کو تسلیم خم کرتے ہوئے اُلٹے قدم واپس ہو لیئے۔

''ہم بھی تو دیکھتے ہیں ہماری شان میں گستاخی کرنے والا کہاں تلک جاتا ہے آخر میں اس ملک کی ملکہ ہوں اور یہ بادشاہ سلامت پتہ نہیں کب آئیں گے۔'' وہ بے چینی سے تخت سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"باادب۔۔ باملاحظہ۔۔ ہوشیار۔۔ بادشاہ وقت تشریف لا رہے ہیں۔" ملکہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھری۔ بے شک وہ کنیز سے ملکہ اسی بادشاہ کی توسط سے ہی تو بنی تھی، بادشاہ کے اندر آ' نے کا شور بپا تھا۔

"ارے اُٹھ او ملکہ رانی۔۔ کب کی جگا رہی ہوں کالج سے جان چھوٹنے سے یہ مطلب نہیں تو دِن چڑھے سوتی رہے، پلنگ توڑتی رہے۔اُٹھ کھانا کھالے کبھی یہ زحمت خود بھی کرلیا کر ماں کو بھی بنادِیا کر۔۔" اور گھونسا اس کی کمر پر پڑا اور خواب سے حقیقت میں لوٹنے کو صرف سیکنڈ کے چند حصے لگے۔

"کیا اماں اتنا زبردست خواب دیکھ رہی تھی اماں آپ ہمیشہ غلط وقت پر ہی انٹری دیتی ہیں۔ کیا تھا اگر میں بھی کچھ لمحے ملکہ بن کے گزار لیتی۔لیکن یہ سب میری اماں سے کہاں برداشت ہوتا ہے۔" دانت کچکچائے۔

"اری میری بیٹی یہ حالت رہی ناں تو تُو ملکہ تو دُور کی بات ہے

۔کوئی تم کو کنیز بھی رکھ لے تو بڑی بات ہے۔'' اماں نے کائنات کو آئینہ دِ کھایا۔ باہر ہاتھ میں روٹی لیے بالکل درمیان سے کاٹ رہی تھیں۔

''اماں آپ سے میرا ملکہ بننا کہاں ہضم ہوتا ہے، آپ تو مجھے اسی چار کمروں کے مکان میں ہی محصور رکھنا چاہتی ہیں۔اور میں اماں ساری زندگی یہاں نہیں گزار سکتی، اُڑنا چاہتی ہوں، پوری دُنیا کو دیکھنا چاہتی ہوں، دیکھنا چاہتی ہوں کہ اس دُنیا میں کتنے رنگ ہیں، کتنی خوشیاں اور خوبصورتیاں ہیں، بہتے جھرنے اُونچے پہاڑ، چٹیل میدان اور تاحدِ نگاہ پھیلے ہوئے صحرا۔ آنکھ سے دیکھنا چاہتی ہوں جہاز کی طرح اُڑنا چاہتی ہوں بالکل آزاد۔'' اماں اپنا سا منہ لے کے بیٹھ گئیں۔

''اور خواب بعد میں دیکھنا، پہلے کھانا تو کھالو کسی دِن یہ بھی نہ سوچا ماں، آج تم کھانا نہ بنا نا مے بنا دوں گی، جب سے تو کالج سے فری ہوئی ہے دو ہفتے ہونے کو آئے تم نے بالکل زحمت نہ کی۔۔چلو نہ سہی، کھانا تو کھالو، یا وہ بھی ملکہء عالیہ کو بستر تک ہی لا دوں'' اماں طنز کرتیں

باہر نکل گئیں۔

''اٹھوں اب جان نہیں چھوٹنے والی ۔۔'' دوپٹہ سمیٹا، بال لپیٹے، کمبل دھکیلا، اور جوتے پہن، وہ باہر نکلی ۔صبح کے دس ہونے کو آئے تھے سورج کی دھوپ کچھ خاص نہ تھی، لیکن دوپہر تک چڑھ آنے کی اُمید کی جا سکتی تھی ۔ہاتھ کا چھجا بنا کے بیٹھنے میں ہی عافیت محسوس ہوتی تھی ۔منہ ہاتھ دھو کر وہ چارپائی کی طرف گئی ،اماں انڈا اور پراٹھا لئے کچن سے نکلیں ۔خالا سوکھی روٹی ہاتھ میں لئے طرح طرح کے نقش و نگار بنانے میں مصروف تھیں ۔اور ساتھ ساتھ بالوں میں کھجلی بھی کئے جا رہی تھیں،

''اماں یہ خالا کو یہاں سے ہٹاؤ، مجھ سے نہیں کھایا جائے گا ورنہ۔۔ پتہ نہیں جوئیں بھی ساتھ ہی کھا رہی ہیں ۔اخ تھُو ۔۔'' کراہیت سے کائنات کا بُرا حال تھا،

''شازو ۔۔چلو جاؤ یہاں سے اور سر پر دوپٹہ لو۔۔'' شازو نے

ایک نظر بہن کو دیکھا اور پھر سر پر دوپٹہ لیا۔

''کائی کو بھی کہہ دو جو دوپٹہ کو گلے کی رسی سمجھتی ہے۔'' کرارا سے جواب۔

''اماں دیکھا یہ پاگل ہیں۔ایویں ایکٹنگ کرتی ہیں یہ۔۔''

''اچھا اچھا تم بسم اللہ پڑھ کو کھانا شروع کرو۔ویسے کہہ تو ٹھیک ہی رہی تھی۔''اماں بڑبڑاتی ہوئیں کچن میں چلی گئیں۔

''ہر ایک میرے ہی خلاف ہے پتہ نہیں مجھ سے ان کو کیا دُشمنی ہے ۔کاش میں کسی امیر گھرانے میں پیدا ہوئی ہوتی پھر اماں دیکھتیں میرا ٹھاٹھ۔یہ پراٹھا اور انڈے کا ناشتہ نہ ہوتا، جوس،جیم اور ڈبل روٹی کھاتی ۔اور ایک یہ،،فوجی گھی میں تلا ہوا پراٹھا۔'' کائنات ناشکری کی حدود کو پھلانگتی۔اماں اس کو سمجھا سمجھا کر تھک گئیں تھیں لیکن اس پر مطلق کسی چیز کا اثر نہ ہوتا۔ہر چیز میں مِن میخ نکالنا اس کا کام تھا۔

''اماں باہر تو آؤ تم سے ایک بات کرنی ہے۔''اماں برتن دھونے

دینا نہیں۔ باقی محلے میں بھی تو نظر دوڑائیں۔ کیسے مائیں اپنی بیٹیوں کی خواہشوں کو پوری کرنے کے لئے بے تاب رہتی ہیں۔ مجھ پر تو آپ نے ہمیشہ دھونس جمائی۔، پتہ نہیں میں آپکی بیٹی ہوں بھی یا نہیں۔" اماں کا کلیجہ منہ کو آیا۔ شاک کی سی کیفیت تھی اتنی بے اعتباری۔ سالوں پہلے کے واقعات ان کی نظروں کے سامنے گڈمڈ ہونے لگے۔

"بنو جانے والی ہے، ہائے اسی کے دم سے تو ہمارے محلے میں رونق ہے ہم تو اکیلی ہو جائیں گی پورا محلّہ سائیں سائیں کرے گا۔" شگفتہ اُداس تھی۔

"تو تم بھی چلی جاؤ ناں اس کے ساتھ جہیز میں۔" رمشاء کے کہنے پر سب کھی کھی کر کے ہنسنے لگیں۔ "ویسے نزہت تم نے دُلہا کو دیکھا ہے کیا۔ کیسا دِکھتا ہے ہماری دُلہنیا کا راجہ۔" لڑکیاں مسکے لگانے لگیں۔

''کہاں جی ہمارے طرف یہ رواج نہیں۔ اور ویسے بھی وہ ایک ہی دفعہ ہمارے گھر آئے جب اماں اور باوا نے رشتہ کے لئے، وہ بھی آیا تھا بیٹھک میں آیا، چائے کھانا امی اور بہن نے ہی کیا، ویسے بھی ہمیں جھجک تھی باوا کہیں ڈانٹ ہی نہ دیں۔ ورنہ جب جانے لگے بہانے سے چھت سے جھانک کر یا گلی کی نکڑ سے منہ کو لپیٹ کر دیکھ لیتی لیکن ہائے رے قسمت۔ ناممکن رہا۔''

''ہائے یہ حسرت۔ ہماری دلہنیا اُداس نہ ہو اب تو پوری زندگی اس کے ساتھ گزارنی ہے آج جمعرات ہے ہفتہ کو بارات آ رہی ہے رشتہ کے سلسلے میں آئے تھے تو کم از کم ہم کو بتائیں تو ہم میں سے ہی کوئی دیکھ لیتا۔ ویسے تمہارے دُلہا میاں کرتے کیا ہیں۔''

''کوئی کپڑے کی فیکٹری ہے ان کی۔'' نزہت نے زرتار کا دوپٹہ پھیلایا۔ ہاتھوں پر لڑکیاں ہلدی ملے جا رہی تھیں۔

''چلو جی شادی کے فوراً بعد ہم سب کو ایک ایک جوڑا کپڑے کا ہی

گفٹ کر دینا۔'' رمشاء کھلکھلائی۔

''دھت تیرے کی شادی میری ہے یا تیری۔۔گفٹ بھی میں ہی دوں ،نکمیو گفٹ تو تم لوگوں کو دینے چاہیں۔''

''تم کو ہمارے دُلہا میاں کم ہیں کیا۔''

''ابھی سے بھائی جن کی شکل بھی نہیں دیکھی۔''

''چلو تم کر لو طنز۔'' ثاقبہ ناراض ہوئی۔انہی باتوں میں شام کے سات ہونے والے تھے۔لڑکیاں بالیاں نزہت کی شادی پر اُس کے گھر موجود تھیں۔جیسا کہ گاؤں میں عام رواج پایا جا تا ہے ساری سہیلیاں نزہت کے جانے پر اُداس تھیں۔گالو اس کی بہن ،غزالہ بھی اس کی شادی انجوائے کر رہی تھی۔ بھابھیاں بھی آئی ہوئی تھیں۔یہ بھی محلے میں ہی رہتی تھیں۔بھائیوں نے شادی کی ذمہ داری اُٹھائی۔فرنیچر ایک بھائی نے دِیا ،کھانا پینا ایک کی طرف سے اور چار تولے زیور ایک بھائی کے طرف سے،شادی پُرامن ہو رہی تھی ،گالو بے شک اپنی بہن

سے محبت کرتی تھی لیکن نزہت بھی گالو سے اس سے زیادہ محبت کرتی تھی ۔نزہت ایک دوست تھی اس کی ۔ جو ہر بات نزہت سے شئیر کیا کرتی تھی ۔اور نزہت نے ہمیشہ ایک اچھی بہن اور ساتھ ساتھ ایک اچھی دوست کا کردار بھی ادا کیا تھا۔دُکھ سکھ کی ساتھی تھی تو ظاہر ہے اس کی رُخصتی پر اُداس بھی تو ہونا تھا ناں۔

دیکھتے ہی دیکھتے جمعرات، جمعہ ایسے بھاگ نکلے جیسے سورج کو دیکھ کر رات۔ ہفتہ کی صبح کو ہی چہل پہل شروع ہو گئی۔ رضیہ، زرینہ، شگفتہ، سدرہ اور محلے کی باقی لڑکیاں دس بجے تک اس کے پاس تھیں۔ گھر کے کاموں میں سب نے ہاتھ بٹایا، گوٹا کناری لگانا سب کو آتا تھا۔ محلے میں کوئی ٹی وی وغیرہ نہ تھا۔ کہ جدید دور کے مطابق تیار کرتیں۔بس جو صدیوں سے رِیت چلی آرہی تھی ویسا ہی سب نزہت کے لئے بنایا گیا تھا۔پہونچی، جھومر، کرن پھول، زرتار سے بنے سرخ و ہرے آنچل گوٹا کناری سے سجے کُرتے،اور پائنچے پر لگی لیس بھلی لگتی تھی۔

باہر بڑے بڑے کڑاہوں میں حلوائی ذردہ بھون رہا تھا۔دوسری طرف بڑے بڑے منڈے (روٹیاں) ڈالے جا رہے تھے۔گائے کاٹی گئی تھی اوراسی کا گوشت دیگ میں شور مچائے جا رہا تھا۔لڑکیاں بھی اپنے اپنے کپڑے ادھر ہی لے آئی تھیں کہ وہ بھی دُلہن کے ساتھ ہی تیار ہوں گی،۔

انہوں نے پکڑائی کی رِسم بھی چھپ چھپا کے کر لی کیوں کہ بڑے اتنا پسند نہیں کرتے تھے اس چیز کو، اُبٹن لگا کر دُلہن کو آنکھیں بند کر کے کسی ایک کو پکڑنے کا کہا ذرینہ کو پکڑ لیا گیا،یعنی اب اگلی باری ذرینہ کی تھی۔ذرینہ شرما گئی۔

دُلہن کو تیار کرنے کی ذمہ داری رضیہ اور سدرہ کی تھی ، دونوں نے میک اَپ کا سامان سمیٹ لیا۔ جبکہ باقی دوستوں نے اس کا بڑی کا سامان دِکھانے کے لئے سیٹ کر دِیا۔بارات آنے کا عندیہ ایک بجے کا تھا۔موبائل کا زمانہ نہ تھا اور جس کے پاس ہوتا،امیر سمجھا جاتا، ٹی وی

کولر، ائیر کنڈیشنر، فریج ان کے علاقے میں بہت بعد میں آ ئیں۔

سوندھی سوندھی خوشبو ہر طرف پھیلی تھی کمرے میں پھولوں کی خوشبو تھی موتیا اور گلاب سے بنے گجرے دھمکتے تھے، مہندی ٹوٹ کر اپنا رنگ بکھیر رہی تھی، ساس اچھی ہونے کا پیغام تھا، ہاں یہ کہ اس نے تو ابھی اپنی ساس بھی صحیح طرح نہیں دیکھی تھی، ایک بار آ ئیں تو گردن جھکی ہی رہی کہیں بے شرم کا لاحقہ ہی نہ دے دیا جائے، شرم و حیا کا تقاضا تھا کہ منہ میں گھنگھنیاں ہوں۔

''بڑی ہی بی بی بچی ہے آپ کی، اللہ ہر ایک کو ایسی ہی اولاد دے، مجھے تو بہت پسند آئی آپ کی نزہت۔'' ساس نے اس کے سامنے اس کو یہی کہا تھا اور پھر وہ اُٹھ کر کمرے میں چلی گئی تھی، جاتے وقت اس کے ہاتھ میں ''سو روپیہ '' بھی تھما گئی تھیں۔

پتہ چلا تھا کہ لڑکا اکلوتا بھائی ہے، تھوڑا اکھڑ مزاج ہے، لیکن محنتی بڑا ہے۔

خیر تیاریاں عروج پر تھیں ، چھیڑ چھاڑ ساتھ ساتھ تھی ،لڑکیاں ساتھ ساتھ بھنگڑا اور ڈانس بھی کر رہی تیں ، کمرے میں محدود رہ کر ، مردوں کا اِدھر آنا مشکل تھا سو بے نیاز تھیں ، شگفتہ تو باقاعدہ رقص کر رہی تھی ، ساڑھے بارہ بجے تک دُلہن تیار تھی اور پھر سہیلیاں بھی تیار ہو گئیں ، نزہت کا دِل بے طرح دھڑک رہا تھا بہن بھائیوں کی پیاری اور ماں باپ کی دُلاری آج اس گھر سے رُخصت ہونے کو تھی۔

باہر شور مچا ، شاید بارات آنے کا تھا۔

''رکو۔۔رکو میں بھی چلتی ہوں۔'' پھولوں سے بھرے تھال اُٹھاتے ، ذرق برق کپڑے پہنے لڑکیاں گیٹ کی طرف بھاگیں۔

''اندر جاؤ سب۔'' ابا اور بھائیوں نے لڑکیوں کو اندر واپس بھیج دِیا ۔بارات کی آمد تو نہیں لگی تھی اور یہ زید بھائی غصہ میں کیوں تھے ، لڑکیاں جھجک کو واپس ہو دیں ، ۔''کیا ہوا'' سدرہ اور نزہت اندر ہی رہ گئی تھیں ، لڑکیوں کو تھال اُسی طرح اٹھائے واپس آتے دیکھا تو چونکیں ،

''پتہ نہیں بارات تو نہیں آئی ابھی ۔اور پتہ نہیں یہ زید بھائی ہر وقت مرچیں کیوں چبائے رکھتے ہیں۔'' عافیہ مایوس تھی۔

''اچھا بارات نہیں آئی ابھی ، تو اس طرح بھاگنے پر ڈانٹا ہو گا۔''

''نہیں باہر کوئی پرائے مرد آئے ہیں دو تین ، لگتا ہے لڑکے والوں کی طرف سے ہیں۔کوئی بات کر رہے تے ہم کو دیکھا تو خاموش ہو گئے ۔اور ہم کو ڈانٹ کر اندر بھیج دِیا۔''

''تم کو پتہ تو ہے ابو اور بھائی اس بات کے خلاف ہیں کہ ہم میں سے کوئی بھی لڑکی پرائے لڑکوں کے سامنے جائے ۔ ۔اسی لئے جب باہر غیر مرد کھڑے تھے تو تم لوگوں کو بھی دیکھنا چاہیے تھا۔'' نزہت کو مستقل کونے میں بٹھا دیا گیا تھا اور سدرہ کو خاص طور پر ہدایت تھی کہ دُلہن کے ساتھ ساتھ رہے مبادہ دُلہن ڈر نہ جائے۔

''اچھا۔ایسی بات ہے تو پھر تو یہ ہم لوگوں کو دُلہا بھی نہیں دیکھنے دیں گے۔''

''ارے نہیں بھئی ، جب ہم کو ساتھ ساتھ بٹھائیں گے تو تم لوگ دیکھ لینا۔''

''ارے بھئی ،نزہت! تم تو چپ کرو دُلہن ہو۔ دُلہن زیادہ نہیں بولتی روپ کم ہو جاتا ہے۔ چلو خیر دیکھتے ہیں۔'' سب پنکھڑیوں سے بھرے تھال ایک طرف کر کے بیٹھ گئیں۔

''تم لوگوں کو پہلے ہوش نہیں تھا۔ ہمارا کیا قصور تھا اس سب میں۔ ہم سارے محلے، برادری، خندان کو کیا جواب دیں گے، دیگیں پک رہی ہیں، بیٹی تیار ہوئی بیٹھی ہے۔اس کے سہیلیاں دُلہے کی آس لگائے بیٹی ہیں کس کس کو جواب دیں گے۔اور کیا جواب دیں گے تم لوگ بتاؤ۔ کوئی اس طرح بھی کرتا ہے انکار کرنا تھا تو پہلے ہی کر دیتے ،اب عین موقع پر۔'' نزہت کے ابا کے لہجے میں بے بسی تھی۔ جبکہ نزہت کے تینوں بھائی بھی سخت پریشان تھے ان پیدا ہو جانے والے حالات سے ۔،نزہت اس کی چہیتی بہن تھی وہ اس کو غم میں کیسے دیکھ سکتے تھے۔

"ہم نے پہلے بتایا ہم بے بس ہیں کچھ نہیں کر سکتے وہ بالکل راضی نہیں ہو رہا وہ کہتا ہے، کہ کسی اور کو پسند کرتا ہے، سب باراتی آ چکے، تیاریاں کر لیں، ہ بھی لوگوں کو جواب دیں گے ہماری عزت بھی اس نے پُورے خاندان میں تار تار کی۔ ہم بھی کسی کو منہ دِکھانے کے لائق نہیں رہے، ہماری بات سنیں اللہ کا شکر ادا کریں یہ کام پہلے ہوا اور اگر شادی کے بعد ایسی کوئی اُونچ نیچ ہو جاتی تو سوچیں اس سب کے نتائج اس سے بھی بُرے ہوتے۔"

"یہ بھی سہی کہی میاں۔۔ قابل تو خیر ہم اب بھی کسی کے نہ رہے۔ اب کون بتائے گا آ سے، سارے لوگ اس کو الزام دیں گے کہ اس میں کوئی فرق تھا، اسی وجہ سے عین وقت پر بارات نہ آئی۔"

نزہت ششدر رہ گئی۔ سانس اُکھڑ گئی، لَب کانٹے بن گئے، ہار پھندا بن گیا اور جوتے جیسے پیوستہ آہن، زبان گنگ ہو گئی ساتھ ساتھ سب سہیلیاں بھی سخت کبیدہ خاطر ہوئیں۔ سب بھول گیا، نزہت کا غم

ذہن میں رہا۔اب کیا ہو گا سب کے ذہن میں یہی سوال تھا۔نزہت کی آنکھیں سرخ ہو گئیں۔دیکھتے ہی دیکھتے ٹپ ٹپ آنسوؤں کے گولے نے آنکھوں کو گھیر لیا نظر کے سامنے پانی ہی پانی تھا،

''بہر حال ہم بہت شرمندہ ہیں،آپ کی بیٹی ہماری بھی بیٹی ہے آپ کی عزت ہماری بھی عزت ہے اللہ اس کے نصیب اچھے کرے۔''

''آپ لوگوں نے جو کہنا تھا کہہ دیا،اب چلے گائیں بہت شکریہ ہم سے ہمدردی کا۔جو تم لوگوں نے کیا ہے کیا یہ کم ہے،اور احسان نہیں چاہیے۔''نزہت سہیلیوں کے درمیان سے نکل کر کب باہر چلی گئی کسی کو پتہ نہ چلا،سب سہیلیاں سکتے اور غم کی سی کیفیت میں تھیں،

''نزہت!تم اندر جاؤ۔ہم بات کر رہے ہیں،چلو شاباش۔'' آصف بھائی نے نزہت کو بہلایا۔

''بس کریں بھائی ان لوگوں کو کہہ دیں جو کہنا تھا اور کرنا تھا،کر دیا، کر دیا اب یہ جا سکتے ہیں مجھے اب ان کے نونہال سے شادی نہیں کرتی

جو مرضی ہو جائے۔" نزہت روتی، مُرجھاتی اندر کی طرف بھاگ گئی۔

سہیلیاں کیا سمجھاتیں۔ کیا کہہ کر تسلی دیتیں، اگر وہ خود اتنے غم میں تھیں تو نزہت کا کیا حال ہو گا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔

دیگیں دوسرے کام آ گئیں، جہاں صرف آدھا گھنٹا پہلے خوشبوؤں کا، بہاروں کا، رنگوں کا بسیرا تھا، وہاں تھوڑی دیر بعد بینوں، مایوسیوں، اور ماتم کا سماں تھا۔

اماں محلے میں، جو گھر رہ گئے تھے بذاتِ خود کہنے کے لئے گئی ہوئیں تھیں، واپس آئیں تو یہ شاک کا منظر ان کا منتظر تھا، جانبر نہ ہو سکیں اور سینے پر ہاتھ رکھے کوچ کر گئیں، نزہت جو پہلے ہی شاک میں تھی، دوہرا غم اس کو پتہ نہ چل رہا تھا کیا کرے، گالو، رو رو کر ادھ موئی ہوئی جا رہی تھی، بھائی الگ رو رہے تھے، جو لوگ اتنی خوشی سے شادی میں شرکت کے لئے آئے تھے، صف میں شامل ہو کر نمازِ جنازہ ادا کی۔

یہاں سے ڈولی ہی اُٹھنی ہی سو ڈولی ہی اُٹھی، رُخصتی کے وقت رونا تھا

وہ بھی ہوا، جدائی ہونی تھی وہ بھی ہوئی، لیکن خوشی والی ڈولی اٹھنے اور غم کی ڈولی اٹھنے میں لامحدود فرق تھا۔

محلے کی ہر آنکھ اشک بار تھی، لڑکوں نے انتظامی معاملات سنبھالے اور محلے کی عورتوں نے گھر بھال۔ شگفتہ، سدرہ، صفیہ، وغیرہ نے نزہت اور گالو کو سنبھالا۔ محلے کی کچھ عورتوں نے تسبیح پڑھنے کا اِرادہ ظاہر کیا۔ جبکہ مرد بیٹھک میں بیٹھے تھے اور اُدھر سے ہی دُعا کر کے اُدھر سے ہی نکل جاتے۔ قیامت ہی قیامت تھی، خوشیوں کا راج، غم کی سیاہی میں اِتنا جلدی بدلا کہ پتہ بھی نہیں چلا۔ سورج روتا روتا ڈوب گیا، اور چاند اپنی مری مری سی روشنی لئے ظاہر ہوا، سیاہی الگ پھیلی تھی، اور ہوا بھی ہلکے ہلکے سے چلتی گویا ان کے غم میں شریک تھی۔ شگفتہ نے نزہت کو گلے لگایا۔

"بس کرو نزہت بس کرو۔ ان لڑکیوں میں تم اس گھر کی بڑی ہو۔ تم کو خود کو سنبھالنے کے ساتھ ساتھ گھر کو بھی سنبھالنا ہوگا اب۔"

''ہاں نزہت۔شگفتہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔تم خود کو سنبھالو، جو گزر گیا اسے چھوڑو۔امی کے لئے دُعا کرو۔تمہارے رونے سے ان کی روح کو تکلیف ہوگی۔'' بھابھی کی آنکھوں میں بے بسی کے آنسو تھے۔اور نزہت پکار بیٹھی تھی۔

''اماں۔۔اماں۔۔''

''اماں کیا ہوا۔کہاں کھوگئیں آپ۔کائنات نے اماں کو جھلایا۔

''ہاں۔۔ہاں کیا ہوا۔'' اماں چونکیں۔

''کیا اماں۔چار بار پکار چکی ہوں آپ کو۔کہاں کھوگئی تھیں۔''

''کہیں نہیں،یہیں ہوں بس کچھ سوچ رہی ہوں۔(تم کو اک بات بتانی تھی لیکن ابھی نہیں۔تم کو نے انتقام لینا ہے،بدلہ لینا ہے اپنی ماں کا۔جس کا اب وقت آنے والا ہے۔)وہ دِل ہی دِل میں سوچ رہی تھی

۔

''تم کیا سمجھتے ہو میں بھول گئی۔ یہ تمہاری بھول ہے۔ تمہاری

وجہ سے میری ماں مری، میرا باپ مجھ کو اس دُنیا میں اکیلا چھوڑ گیا۔ میری بہن کا کہیں رِشتہ نہ ہو سکا۔ تو کیا میں تم کو سکھ سے رہنے دوں گی اب تمہارے بُرے دِن آنے والے ہیں۔ انتظار کرو۔ میرا بدلہ، جو تم نے مجھ کو دُھتکارا تھا، اس سے زیادہ شدید ہو گا۔ اور تم سنبھل نہ پاؤ گے۔ وعدہ ہے تم سے میرا۔"

"یہ میری دوست ہے ایشاء۔۔ یہ اِدھر ہی رہے گی کچھ دِن۔"

صبح کھانے کی میز پر سب موجود تھے۔ صائم سے تو خیر اس کا تعارف رات کو ہی ہو گیا تھا جبکہ ایاز خان اور کچھ دُوسرے گھریلو ملازمین سے اس کی ملاقات اَب ہو رہی تھی، جو ایشاء کو نہیں جانتے تھے ملازمی نے ایشاء کو کپڑے لا دیئے تھے جو رات کو ہی دائم نے اپنے سورس سے منگوا لئے تھے، ایشاء نہا دھو کر نئے پکڑے پہن کر جھجھکی،

جھجکی سی کھانے کی میز پر آئی تھی۔آج میز پر بہت عرصہ بعد چار نفوس بیٹھے تھے،

”دراصل کے والدین کچھ عرصہ کے لئے بیرونِ ملک گئے ہیں، کیوں کہ اس کے تایا کی طبیعت خراب ہے جو بیرونِ ملک رہتے ہیں۔، جب وہ واپس آئیں گے تو یہ واپس چلی جائے گی وہ مجھ پر اعتماد کرتے تھے اس لئے وہ ایشاء کو میرے پاس چھوڑ گئے، یہ اسلام آباد رہتی ہے۔“ دائم نے اپنے پاس سے کہانی بُنی اور ایشاء کی طرف اِشارے کے سے انداز میں دیکھا کہ سب۔”اوکے“ سمجھے۔اشیاء کچھ نہیں بولی، وہ جانتی تھی کہ دائم جو بول رہا ہے یقیناً اس میں کوئی وجہ ہوگی۔

”اچھا۔۔کیا کرتے ہیں آپ کے والد۔اس کو اپنا گھر ہی سمجھو۔۔ ایاز خان نے ایشاء سے کہا جو بالکل فریش انداز میں ان کے سامنے بیٹھی تھی۔

”ہاں ہاں اور میں تو آپ کو بالکل بور نہیں ہونے دوں گا۔“ صائم

نے دانت نکالے۔

''ہاں بالکل۔لیکن یہ تمہارے ساتھ گھر سے باہر نہیں جائے گی۔ اور بابا آپ کو ایشاء کے یہاں رُکنے پر کوئی اعتراض تو نہیں۔'' دائم نے صایم کو تنبیہہ کی اور ایاز خان کی طرف مڑا۔

''ارے نہیں بیٹا۔۔اعتراض کیوں۔۔ بہت عرصے بعد ایک خاتون ہمارے گھر اس طرح رہنے آئی ہیں، اور وہ بھی آپ کی ماما کی سیٹ پر بیٹھی ہیں، تو مجھے کیسے بُرا لگے گا۔'' ایاز خان نے جواب دیا۔ ایشاء شرمندہ ہوگئی۔اور فوراً اُٹھنے لگی۔

''اوہ سوری مجھے پتہ نہیں تھا۔''

''ارے نہیں نہیں کوئی بات نہیں مجھے تو اچھا لگا کہ آپ ہمارے گھر آئیں۔صائم کی بھی کوسی دوست سے ہماری ملاقات ٹھہری۔ورنہ صائم کے دوست تو بہت دیکھے۔دائم کے کبھی نہیں۔۔ ویسے دائم کی چوائس کبھی بُری نہیں ہوئی۔'' ایاز خان نے گہری نظروں سے ایشاء کو دیکھتے

ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔

''شکریہ ابو۔ ویسے صائم کل تم ایشاء کو بازار لے جانا کوئی کپڑے وغیرہ لے دینا۔ ان کا اچانک پروگرام بن گیا تو یہ اپنا کپڑے وغیرہ بھی نہیں لاسکی۔ یہ تو نہیں آنا چاہتی تھی، کوئی قریب کا رشتہ دار بھی نہیں تھا جس کے گھر یہ قیام کرسکتی۔سو۔''

''کوئی بات نہیں بھائی۔ اب ایشاء میری ذمہ داری ۔۔ میرا مطلب ہے آپ بے فکر ہو جائیں میں ایشاء کو خوب انجوائے کراؤں گا۔ اور آپ کو بھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔ چاہے تو آپ ایشاء سے پوچھ لیجئے گا۔'' صائم نے مسکرا کر دائم کو یقین دِلایا۔

''اچھا اچھا بھئی مجھے تم پر بھروسہ ہے۔ اور یہ بھی بتانا تھا کہ ان کے اچانک جانے سے ہی یہ رات کافی لیٹ ہوئی اور میں نے اس کو رات بارہ بجے ائیر پورٹ سے پک کیا۔'' دائم کی کہانی میں بہت سے جھول تھے جو صائم بے شک نہ سہی، ایاز خان کی زیرک نظروں نے بھانپ لیا

تھا کہ مسئلہ کوئی اور ہے۔کہیں نہ کہیں کچھ غلط تھا۔لیکن فی الحال کہا نہیں جا سکتا تھا۔

"بھائی آپ تو اتنے خاص کبھی اسلام آباد نہیں گئے پھر وہاں آپ کی ایک لڑکی سے دوستی کیسے ہو گئی۔صائم بولا۔

"دوستی ہونے میں کتنی دیر لگتی ہے۔میرے بھائی ہم مزاج بندہ مِل جائے تو چند لمحوں میں ہی ہو جاتی ہے۔"

"یعنی کہ آپ کو اپنی ہم مزاج مل ہی گئی۔" صائم شرارت سے بولا ۔تو ایاز خان نے ٹانگ اُڑائی۔

"آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کے والد کیا کرتے ہیں۔"

"ابو ! اس کے ابو کا اپنا ایک چھوٹا سا بزنس ہے۔" اس بار بھی جواب دائم ہی کی طرف سے آیا۔

"ویسے بھائی ایک بات کہو۔بُرا تو نہیں لگے گا آپ کو۔" صائم نے جوس کا سِپ لیا۔

''ہاں ہاں کہو۔'' دائم نے صائم کی طرف دیکھا۔

''ایشاء کا نام ایشاء نہیں ۔۔Silent Angle ہونا چاہیے تھا۔''

صائم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ایاز خان بھی مسکرا دیئے۔

باتوں باتوں میں کھانا ختم ہوا۔ایشاء اس دوران چپ ہی رہی کہ یہ

نہ ہو، کچھ غلط منہ سے نہ نکل جائے ۔اشیاءاُٹھی ۔

''ارے کرو ناں ناشتہ تم نے لیا کیا ہے۔'' دائم نے ایشاء کی طرف

دیکھا۔اس نے دونوالے لئے تھے اور چھوڑ دیا تھا۔

''نہیں بس آرام کروں گی۔تھکن ہے ناں دراصل اس لئے ہی بس

شکریہ۔''

''اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ کمرے میں ۔۔ جب بازار کا اِرادہ ہوا۔بتا

دینا ملازم اور صائم تم کو لے جائیں گے۔''

''ٹھیک ہے۔۔ کہہ کر وہ سیڑھیاں چڑھ گئی۔یہ ایشاء کا اِس خاندان

سے پہلا تعارف تھا اور جب اس کی یہاں حیثیت ایک مہمان کی سی تھی

(باقی آئندہ ماہ)

افسانہ☆ بھلائی ابھی باقی ہے☆

تحریر۔راحیلہ بنت مہر علی شاہ۔۔۔

امی موسم کتنا خراب ہو رہا ہے رات ہو چکی ہے اور ابو کا ابھی تک کچھ پتہ نہیں؟۔۔۔صوفیہ نے ماں سے متفکر آواز میں کہا۔

حارثہ نے ایک نظر باہر زور و شور سے برستی بارش پر ڈالی۔ایسا لگ رہا ہے جیسے بارش نے آج ہی کئی ماہ کی کسر نکالنی ہے۔۔۔۔حارثہ نے ٹھنڈی آہ بھر کر بیٹی کی بات کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔۔وہ چاہ کر بھی دل میں پنپنے والے انگنت خدشوں کو زباں نہیں دے سکتی تھی ،اسلیئے جب بیٹی نے حیرت سے ماں کی طرف دیکھا تو اس نے نظریں چرا کر کہا ،جاؤ لیٹ جاؤ کافی رات ہوگئی ہے۔۔۔۔

لیٹ جاؤں؟؟ کیسے امی کیسے لیٹ جاؤں مم مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے ۔۔۔امی ابو کو کچھ ہو نا گیا ہو،یہ سوچ سوچ کر میرا دماغ شل ہو رہا ہے

،دل پھٹا جا رہا ہے۔۔۔۔بیٹی کی لرزتی نمی میں گھلی آواز نے ان کے پاؤں جکڑ لیئے ،بیٹی کی آواز میں جو ڈر اور خوف تھا اس ڈر اور خوف نے شام ہوتے ہی اس کے اندر پنجھے گاڑ دیئے تھے۔وہ کیا کہتی بیٹی سے بغیر کچھ کہے اور بیٹی کی طرف دیکھے قدم اندر کمرے کی جانب موڑ دیئے جہاں باقی چار بچے سمٹے سمٹائے سو رہے تھے۔یہ غربی بھی کیسے کیسے دن دکھاتی ہے وہ افسردگی سے سوچ رہی تھی۔۔۔

اس کا شوہر ایک مزدور تھا صبح سویرے نکلتا اور شام سے پہلے گھر آتا لیکن آج آدھی رات ہوگئی لیکن اس کا کچھ اتا پتہ نہیں تھا موسم کے تیور بھی کافی بگڑے ہوئے تھے۔صوفیہ صرف چودہ برس کی معصوم لڑکی تھی لیکن غربت انسان کو وقت سے پہلے سرد و گرم کی پہچان کرا دیتی ہے۔وہ چھوٹے سے برآمدے میں جلے پیر کی بلی کی طرح چکر کاٹ رہی تھی۔کافی دیر تک وسوسے اور خدشے سر ابھار ابھار کر اسے تنگ کرتے رہے۔اور جب صبر کا پیمانہ لبریز ہوا تو فرش پر بیٹھ کر ایسی ہچکیوں سے

روپڑی کہ ماں کا دل دہل کر رہ گیا

اور سوتے ہوئے بہن بھائی بھی اٹھ کر بیٹھ گئے لیکن کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ آگے بڑھ کر اسے چپ کرا دیتے ۔۔۔اچانک گھر کے سامنے گاڑی کے تیز ہارن کی آواز سنائی دی وہ رونا بھول کر ایک جھٹکے سے اٹھی ۔حارثہ کا دل سکڑ کر پھیلا یہ چند لمحے برسوں پر محیط ہوئے صوفیہ بھاگ کر دروازے پر پہنچی ایک آدمی ان کے ابو کو سہارے سے لیکر آ رہا تھا، وہ تڑپ کر آگے بڑھی کک کیا ہوا ابو آنسوؤں نے پھر بغاوت کی ،میں بالکل ٹھیک بیٹا ۔انہوں نے پیار سے بیٹی کے سر پہ دست شفقت رکھ دیا ۔۔۔اچھا انکل میں چلتا ہوں وہ آدمی ابو کو اندر لانے کے بعد بولا ۔۔۔ارے بیٹا کچھ دیر تو بیٹھو چائے پی کے جانا ۔صوفیہ کے ابو نے جلدی سے کہا ۔۔۔۔

نہیں نہیں انکل پھر کبھی آؤ نگا رات بہت ہو چکی ہے گھر بھی پہنچنا ہے

۔۔۔اچھا بیٹا جیسے تمہاری مرضی صوفیہ کے ابو اس اجنبی کو اللہ حافظ کہہ

کر گھر کے اندر آ گئے۔شوہر کو زندہ سلامت دیکھ کر حارشہ کی کب کی رکی ہوئی سانس بحال ہوئی کیا ہوا تھا ابو آپ کو؟ صوفیہ نے ان کے ہاتھ اور ماتھے پر پٹی دیکھ کر کہا۔بس کیا بتاؤں بیٹا ایک تیز رفتار موٹر سائیکل والے نے ٹکر ماری اور مجھے سڑک پر چھوڑ کر چلا گیا۔اتنے میں یہ لڑکا جو مجھے یہاں پہنچا کر گیا ہے آیا مجھے ہسپتال لے کر گیا اور مرہم پٹی کے پیسے بھی اسی نے دیئے۔جہاں برے لوگ ہیں وہیں اس جیسے فرشتہ صفت انسان بھی ہیں دنیا میں اس نے مجھے پچاس ہزار دے کر کہا ہے کہ کوئی کاروبار شروع کرو یہ کہتے ہو آواز خوشی سے بھرا گئی۔سب نے اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا اور اس اجنبی کو ڈھیروں دعائیں دیں۔واقعی بھلائی ابھی باقی ہے صوفیہ نے پرسکون ہو کر سوچا۔اور شکرانے کے نفل ادا کرنے چل پڑی۔۔۔۔۔

☆عشق سنگ مرمر سا☆ (قسط نمبر ۲)

مصنفہ۔اقراء عابد۔

پچھلے تین یوم سے حویلی کی فضاء بے حد سوگوار تھی۔چھوٹے نواب اپنے کمرے سے نکلتے تھے نہ سکول جاتے تھے،ناشتہ کی میز پر آتے تھے نہ ہی کھانے کی بس کمرے کو لاک کیے ہوئے تھے۔کئی بار اکرم چچا دستک دے چکے تھے مگر جواب نادارد۔

عمار اور رازن اسلام آباد واپس گئے ہوئے تھے وہ اپنا کچھ سامان اور وہاں کا حساب کتاب مکمل کر کہ فتح پور آنا چاہتے تھے تاکہ بعد میں کوئی مسئلہ در پیش نہ آئے۔۔ بڑے نواب جانتے تھے کہ چھوٹے نواب کمرے میں کیوں بند ہیں اسلیئے وہ چپ چاپ کھانا کھاتے اور اٹھ جاتے نوابوں کی حویلی میں ایسا زمانہ پہلی بار آیا تھا کہ نواب طارش

عالم اپنے اصول ٹوٹنے پر خاموش تھے۔

خاموشی جب کسی ذی روح کو اچانک سے اپنے حصار میں لے لیتی ہے تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ انسان اتنا مجبور ہے کہ ایک لفظ بھی بولے گا تو سب ختم ہو جائے گا اس لئے وہ خاموش رہتے ہوئے اپنے آپ پر ضبط رکھتا ہے تاکہ اپنے پیاروں کو کھو نہ دے۔ یہی حال اس لمحے نواب طارش عالم کا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کو اپنی سب سے لاڈلی اولاد کو کھو دینے کے آخری کنارے پر کھڑے تھے۔ انہوں نے اُس کے ساتھ ظلم بھی تو بہت کیے تھے۔ بلاشُبہ وہ یحیٰی کو زیادہ اپنے ساتھ رکھتے تھے مگر اُن کا چھوٹا بیٹا چُپ چاپ پیار سمیٹتا تھا۔

نواب عالم گیر پورے فتح پور کے نواب، چوہدری اور وڈیرے مانے

جاتے تھے اُن کی زمینیں اور جائیدادیں آس پاس کے گاؤں تک پھیلی ہوئیں تھیں۔وہ بہت نرم دل اور خداترس انسان تھے اور اُن کی بیوی حامدہ بیگم بھی بہت احساس کرنے والی اور شکر کرنے والی خاتون تھیں اللہ نے اُنہیں دو اولادوں سے نوازا تھا نواب رئیس عالم اور نواب رستم عالم۔۔

نواب رئیس عالم بڑے تھے اور لاڈ ہی لاڈ میں بہت ضدی اور ہٹ دھرم بن گئے تھے کوئی بات انکی پوری نہ ہوتی تو وہ اپنے آپے سے باہر ہو جاتے تیش میں وہ ہر رشتے کا لحاظ بھول جاتے تھے۔البتہ نواب رستم عالم اس قدر ڈھیٹ اور ہٹ دھرم نہیں تھے۔نواب رئیس عالم کی شادی بیگم حامدہ نے اپنے بھانجی مہر بانو کے ساتھ کی۔اور نواب رستم کی شادی نواب عالم کی بہن کی بیٹی ضوفشاں بیگم سے کی گئی۔

مہر بانو فطرتاً بہت نیک دل اور صبر کرنے والی تھیں۔اُن کے شوہر جتنے

بدمزاج اور ہٹ دھرم تھے وہ اتنی ہی شفیق اور ٹھنڈے مزاج کی۔۔
نواب رستم اور ضوفشاں بیگم کی شادی بھی اُن کی شادی کے ٹھیک ایک
سال بعد ہوئی تھی مگر اولاد کے معاملے میں ضوفشاں کی اللہ نے پہلے
سن لی اور اسے دو بیٹیوں سے نوازا۔ زرناب عالم اور دُریاب عالم۔
جبکہ مہربانو اور رئیس عالم کے ہاں شادی کے تیرہ سال تک کوئی اولاد
نہ ہوئی مگر پھر اللہ نے انہیں بیٹے سے نوازا جو کہ اس حویلی کا اکلوتا
وارث بھی تھا نواب طارش عالم۔۔

تیرہ سال تک بےاولادی کے طعنے سننے اور بات بہ بات پہ شوہر سے
مار کھانے والی مہرانساء کو بہت سخت مٹی اور صبر کی گوند سے بنایا تھا تبھی
وہ چپ چاپ ہر چیز سہتی رہتی تھی مگر اپنے اکلوتے بیٹے کو غلط تربیت
پاتا دیکھ بہت بار بڑے نواب سے الجھیں مگر بےسود۔ نواب رئیس
عالم نے اپنے بیٹے کو اپنے ہی نقشِ قدم پر چلایا تھا۔

نواب رئیس عالم کی طبیعت خراب رہنے لگی تو انہوں نے اپنی بھتیجی زرناب عالم کو اپنے بیٹے طارش عالم کے لئے مانگ لیا۔ جبکہ دُریاب عالم کا رشتہ ضوفشاں بیگم نے اپنی بہن زینت بیگم کے بیٹے نواب منصور کمال سے کیا تھا دونوں بہنوں کی شادیاں ایک ساتھ کر دی گئی تھیں۔ بیٹے کا فرض ادا کرنے کے تھوڑے عرصے بعد ہی نواب رئیس کو دل کا شدید دورہ پڑا اور وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ مہربانو بیگم کی طبیعت بھی شوہر کی جدائی کے باعث خراب رہنے لگی تھی مگر انہوں نے اپنے بیٹے کی خاطر پھر سے گھر پر توجہ دینی شروع کر دی کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ اُن کی بہو ہی ہے جو اس گھر کو گھر بنا سکتی ہے۔

زرناب عالم نے مہربانو کی سنگت میں ان کی تربیت حاصل کر لی تھی اور بہت جلد ہی وہ اپنی ساس کے اطوار سیکھ گئی تھی۔ ویسی ہی حساس اور سب کا خیال رکھنے والی صابرہ اور شاکرہ بن گئی تھی مگر ایک بات وہ

ہمیشہ کہتی تھی کہ "چچی جان میں اپنے بچوں کو اُن کے باپ کے نقشِ قدم پر کبھی نہیں چلنے دوں گی"

شادی کے دو سال بعد اللہ تعالی نے انہیں بیٹی کی رحمت سے نوازا۔ فرحین عالم۔اور پھر اللہ نے دو بیٹوں سے اوپر تلے نوازا۔یحییٰ عالم اور یشرح عالم۔ زرناب بیگم نے بے حد کوشش کی کہ وہ اپنے بچوں کو سکول بھیجیں تعلیم دلوائیں مگر نواب طارش اس حق میں ہی نہ تھے بیٹی کو وہ بہت زیادہ نہیں چاہتے تھے البتہ بڑے بیٹے یحییٰ عالم کو اپنی سر پرستی میں رکھتے تھے کیونکہ وہ اسے اپنے نقشِ قدم پر بلکل ویسے ہی چلانا چاہتے تھے جیسے انکے باپ نے انہیں چلایا تھا۔مگر یشرح عالم ابھی بہت چھوٹے تھے اور نواب طارش کو یحییٰ عالم کے آگے کوئی اور نظر ہی نہیں آتا تھا۔نواب طارش نے فرحین اور یشرح عالم کو کبھی اپنی اولاد ہی نہیں جانا تھا وہ سارا دن اپنے بڑے بیٹے کے ساتھ ڈیرے پر

بیٹھے رہتے اسے ہر پنچائیت میں تمام اہم امور میں اپنے ساتھ رکھتے تا کہ وہ بھی اُن کے اصول سیکھ اور سمجھ جائے۔

فرحین اور یحیٰی کو سکول نام کی کسی چیز کا علم تک نہ تھا انھوں نے صرف قرآن پاک پڑھا تھا وہ بھی مہر بانو بیگم کی سخت تلقین کی بدولت۔ یشرح صرف چار سال کا تھا جب مہر بانو بیگم کا انتقال ہو گیا اب ساری ذمہ داری زرناب بیگم پر آن پڑی تھی۔ یحیٰی تو باپ کے زیرِ اثر تھا اور فرحین کو لڑکی ہونے کے باعث گھر سے باہر نکلنے ہی نہیں دیا جاتا تھا مگر یشرح بچپن سے ہی الگ طبیعت کا مالک تھا اسے ہر چیز کے بارے میں جاننا ہوتا وہ ہر بات کے بارے میں سوال کرتا تھا۔ نواب یشرح عالم کو زرناب بیگم نے اپنے شوہر کی ناراضگی مول لے کر سکول داخل کروایا تھا اور وہ پڑھائی میں اسقدر اچھا تھا کہ کبھی کسی شکایت کا موقع ہی نہیں دیا۔

"نانو بابا، مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" انگلیوں کو مڑوڑتے ہوئے وہ بات کرتے ہوئے بھی ڈر رہی تھی۔

"دفع ہو جاؤ لاریب، کوئی بکواس نہیں سننی مجھے تمھاری، جاؤ یہاں سے دور ہو جاؤ میری نظروں سے"۔نواب طالش عالم بہت تیش میں تھے۔

"وہ۔۔نانا سائیں میں تو بس۔"وہ منمنائی۔

" کہاں نہ دور ہو جاؤ، جاہل لڑکی "بڑے نواب اپنے بیڈ سے غصے سے اٹھ کھڑے ہوئے تو وہ جھٹکے سے دو قدم پیچھے ہٹی اسی لمحے اُس کے پیچھے سے دروازہ کھولا اور وہ نواب یشرح کے سینے سے ٹکرائی۔

"بابا جان۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا اور وہ ان کے سینے میں اپنا

سر چھپا کہ بے آواز سسکیاں بھرنے لگی۔

" کیا ہوا میرے بچے کو، ارے رو کیوں رہی ہے میری گڑیا اچھا بتاؤ کیا ہوا بتاؤ مجھے۔" نواب یشرح اُسکے کندھے کو سہلاتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

" یہ سب تمھارے لاڈ پیار کا نتیجہ ہے یشرح تمھی نے اسے سر پر چڑھا رکھا ہے اتنا کہ اس لڑکی کو اِس حویلی کے طور طریقے بھی بھول گئے ہیں "۔ بڑے نواب اب بیڈ کی دائیں طرف رکھے صوفے پر بیٹھ گئے تھے ایک ہاتھ میں اپنی مخصوص چھڑی کو بھینچے سخت غصے میں تھے۔

"ایسا بھی کیا کر دیا ہے میری گڑیا نے بابا سائیں جو آپ اسقدر بھڑک رہے ہیں، اتنا شور سن کر میں کمرے سے باہر آیا ہوں کہ آخر کیا ہو گیا گھر میں جو آپ نے اتنا وویلا مچا رکھا ہے۔" یشرح عالم بھی اپنی لاڈلی پر کسی کا چلانا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

"اس لڑکی سے پوچھو کہ کیا ضرورت تھی اس قدر خراب موسم میں حویلی سے باہر قدم رکھنے کی اور وہ لڑکے جو آئے تھے حویلی میں اُن کے ساتھ کھڑی کیا گل کھلا رہی تھی یہ، وہ تو قیصرہ اور شرافت خان (قیصرہ کا شوہر) کی باتیں نہ سنتا تو اس صاحبزادی کا کچھ علم بھی نہ ہوتا کہ کہاں گھوم رہی ہیں۔" وہ پوری طرح بھڑک اُٹھے تھے کیونکہ رازن اور عماد دن حویلی میں رہے تو لاریب اپنے کمرے سے باہر نہیں آئی اور تین دن سے نواب طالش کسی سے بات نہیں کر رہے تھے اور نہ ہی نواب یشرح اپنے کمرے سے باہر نکل رہے تھے وہ کئی بار اُن کے کمرے تک گئی تھی کہ بابا جان سے بات کرے مگر ہر بار دروازہ لاک دیکھ کر مڑ آتی اب بھی جب اُس کی برداشت سے باہر ہو گیا تو وہ نانا سائیں کے کمرے میں میں اُن سے بات کرنے چلی آئی تھی۔

"بابا سائیں، بس بہت ہو گیا ایک لفظ اور نہیں سنوں گا اب، چلو بابا کی

جان آپ اپنے کمرے میں چلو شاباش۔"شدید غصہ پر ضبط کرتے ہوئے دبی آواز میں انہوں نے بڑے نواب کو مزید کچھ بھی کہنے سے روکا اور لاریب کو اپنے سینے سے الگ کرتے ہوئے اُس کے آنسو صاف کیے اور اُسے ہدایت دی تو وہ چپ چاپ وہاں سے نکل گئی۔

" کیا ہو گیا آپ کو بچی ہے وہ ابھی ،سمجھ جائے گی وقت کے ساتھ۔ "نواب یشرح اب باپ کے سامنے بیڈ پر ٹک گئے۔

" سمجھ جائے اور سنبھل بھی جائے یہی اُس کے حق میں بہتر ہوا گا،ورنہ اس کے پر کاٹنے مجھے آتے ہیں۔"باپ نے بیٹے کی آنکھوں میں گھورتے ہوئے کہا۔

" کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ باباسائیں؟اتنی چھوٹی ہے ابھی وہ اور پوچھ لیا تھا میں نے قیصرہ سے وہ صرف کھیتوں میں جانے کیلئے نکلی تھی راستے میں بارش آگئی تو وہی رکنا پڑا بس اتنی سی بات ہے اور آپ

کہاں سے کہاں لے گئے ہیں۔"نواب یشرح نے اپنی لاڈلی کی صفائی دی۔

"تمھاری شہہ پر ہی وہ گھر سے باہر قدم رکھتی ہے تمھارے سر پر ہی بھوت سوار تھا اُسے پڑھانے کا ورنہ کیا مجال جو آج تک اِس حویلی کی کسی عورت زاد نے باہر قدم بھی رکھا ہو، اس لڑکی کو باندھنا ہی پڑے گا اس سے پہلے کہ کوئی گل کھلا دے اور ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں۔

"بڑے نواب نے اپنے عزائم ظاہر کیے تو نواب یشرح بھڑک اٹھے۔

"خدا کا واسطہ ہے وہ سب مت دھرائیں جو آپ اُس کی ماں کے ساتھ کر چکے ہیں، رحم کریں ہم پر اب بابا سائیں۔"نواب یشرح کی آواز میں بہت تلخی تھی۔

"فرحین صرف اور صرف اپنا کیا بھگت رہی ہے لہذا تم اُس کے بڑے حمایتی بننے کی بجائے اِس لڑکی کو قابو میں رکھو، ورنہ پچھتاؤ گے

سمجھے۔" بڑے نواب اپنی بات کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئے اور نواب یشرح ہنوز بیٹھے رہے۔

سورج اپنی سنہری کرنیں مدھم سی لے میں زمین کے دامن میں پھینک رہا تھا۔ نواب یشرح ہر شام کی طرح آج شام بھی لان میں ہی بیٹھے ہاتھ میں اخبار اور چائے کا کپ لیے بیٹھے تھے جب نوابوں کی حویلی میں پولیس کی جیپ داخل ہوئی۔

"اسلام علیکم چھوٹے نواب صاحب کیسے ہیں آپ؟ انسپیکٹر عباس اپنی مخصوص وردی پہنے ہاتھ میں مخصوص چھری پکڑے چلے آرہے تھے۔

وعلیکم اسلام، کیسے ہو انسپیکٹر عباس ؟ کہاں غائب تھے اتنے دنوں سے؟" نواب یشرح نے انسپیکٹر عباس سے گلے ملتے ہوئے کہا۔ اور پھر دونوں نے اپنی اپنی نشست سنبھال لی۔

"بس ماموں جان بہت مصروف ہوں آجکل ایک بہت بڑا بدمعاش جو کہ کچھ عرصہ پہلے پاکستان چھوڑ کر فرار بھاگ گیا تھا اب اُس کے پاکستان آنے کی اطلاع موصول ہوئی ہے ہمیں آرڈر ملا ہے کہ جیسے ہی وہ پاکستان کی سرزمین پر قدم رکھے اُسے اُڑا دیا جائے۔" انسپیکٹر عباس نے تفصیلات سے آگاہ کیا۔

"اچھا یہ بتاؤ گھر میں سب کیسے ہیں فرحین آپا کیسی ہیں اور مستعین بھائی اور باقی سب؟ بہت دن ہوئے تمھاری پھوپھو نے بھی چکر نہیں لگایا" یشرح ہمیشہ ایسے ہی سب کے بارے میں فکرمندی سے پوچھا کرتے تھے۔

"جی ماموں جان سب ٹھیک ہیں اور میں تو شہر سے سیدھا ادھر ہی آ رہا ہوں تین دن ہو گئے گھر سے نکلے ہوئے، اور میرا تو موبائل بھی آف ہے، امی جان بھی پریشان ہو رہی ہوں گی۔" عباس کو یاد آیا تو اُس کی

آنکھوں کے سامنے فرحین بیگم کا پریشان کُن چہرہ لہرایا۔

"اچھا، نام کیا ہے اُس غنڈے کا اور اب پاکستان اتنے سالوں بعد کیوں واپس آرہا ہے۔ نواب یشرح نے بات بدلنے کی غرض سے پوچھا۔

اُس کا نام ارسلان ظفر ہے اور جس ملک میں وہ تھا وہاں بھی اُس نے کسی قانون کی خلاف ورزی کی جس کی بناء پر وہاں کی پولیس نے اُس کا ویزہ اور پاسپورٹ کینسل کر دیا اب اُس کے پاس پاکستان آنے کے سواء اور کوئی چارہ نہیں بچتا۔" عباس نے اپنی ذہانت کا استعمال کرتے ہوئے آنکھیں سکیڑتے ہوئے آگاہ کیا۔

"پاکستان سے کیوں بھاگ گیا تھا؟ نواب یشرح کبھی کسی معمالے میں اتنی دلچسپی نہیں دیکھاتے تھے" آج نا جانے انہیں کیا ہو گیا تھا۔

"اصل میں وہ اپنے علاقے کا بدمعاش مانا جاتا تھا اور اُس نے اپنی

بیوی اور ماں پر بے حد ظلم کیے تھے اور اپنی بیوی کو جلانے تک کی کوشش کی جس میں اُس کی بیوی تو بچ گئی مگر ماں اور دو سالہ بیٹی جل گئی بیوی کی حالت بھی کافی خراب تھی مگر اُسے ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا اور پولیس نے اُسے گرفتار کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ پاکستان سے فرار ہو چکا تھا۔" عباس نے سب بتا چکنے کے بعد چائے کپ میں انڈیلی اور کپ لبوں کو لگا لیا۔

" کیسے سفاک انسان ہوتے ہیں وہ جو اپنی عورتوں پر ظلم کرتے ہیں ،ایسا کر کہ وہ سمجھتے ہیں شاید وہ بہت طاقتور ہیں پوری دنیا کا اختیار اُن کو تھما دیا گیا ہے لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ جو سب سے طاقتور ہے اُس کی لاٹھی بے آواز ہے ،اور جب وہ پڑتی ہے تو سب ظلموں کا حساب برابر کر لیا جاتا ہے۔" نواب یشرح بہت دکھی ہو گئے تھے مگر اُن کی سوئی ایک نام پر اٹک گئی تھی" ارسلان ظفر۔"

اچھا ماموں جان میں ذرا اپنی پیاری بہنا سے مل لوں پھر گھر جاتا ہوں۔ یشرح چوہدری نے سر ہلا دیا تو انسپیکٹر عباس اُٹھ کھڑے ہوئے

رازن اور عماد آج صبح سارے حساب کتاب چکا کہ فتح پور آ چکے تھے اکرم چچا نے چھوٹے نواب کے حکم پر اُن کے لئے مہمان خانہ کھول دیا تھا اور سکول جاتے ہوئے وہ اکرم چچا کو اُن دونوں کا خاص خیال رکھنے کا کہہ کر گئے تھے مگر مل کر نہیں گئے تھے۔

بڑے نواب آج بہت صبح اپنے ایک دوست سے ملنے شہر گئے ہوئے تھے گھر میں صرف لاریب، نواب یحییٰ اور اُن کی بیوی رِمیشہ تھی۔

نواب یحییٰ کی شادی نواب طاِلش نے اپنے دور کے کزن کی بیٹی سے کی تھی اور فرحین بیگم کی شادی انھوں نے زرناب بیگم کی بہن دُریاب

بیگم کے بیٹے نواب مستعین کمال کے ساتھ کیا تھا۔

دُریاب بیگم کے تین بیٹے مستعین کمال، مستقیم کمال اور مکتوم کمال تھے جبکہ ایک بیٹی مریم کمال تھی۔ فرحین کی شادی مستعین کمال سے ہوئی تھی جبکہ مستقیم اور مکتوم کی شادیاں اُن کے دُھدیال میں ہوئیں تھیں۔نواب طاِلش کی حویلی سے کچھ فاصلے پر ہی نواب منصور کمال کی حویلی تھی اور ارد گرد اُن کے مزارعے اور مزدور بستے تھے فتح پور میں نواب طاِلش کی حویلی کو بڑے نوابوں کی حویلی جبکہ نواب منصور کمال کی حویلی کو چھوٹی حویلی کہہ کر پکارا جاتا تھا۔چھوٹی حویلی کے بلکل سامنے کچھ خاص مزارعوں کے مکان تھے جن میں سے ایک مکان میں عبدالقیوم رہتا تھا جو کہ بڑے نواب کا بے حد خاص آدمی تھا۔

لاریب نہیں جانتی تھی کہ رازن اور عماد آئے ہوئے ہیں جب کبھی اُس

کا حویلی کی اونچی دیواروں میں دم گھٹنے لگتا تو وہ لان میں آ کر بیٹھ جایا کرتی تھی وہ اپنے پسندیدہ پھولوں کی شاخ پکڑے یاس بھری نظروں سے کنارے پر بیٹھی اُس پھول کو تکے جا رہی تھی جب رازن نے پیچھے کھڑے ہو کہ اپنا ہاتھ اُس کی آنکھوں کے آگے بڑھا کر چٹکی بجائی تو وہ ہڑ بڑا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے، اور آپ یہاں؟" وہ اُسے وہاں دیکھ کر ششدر رہ گئی۔

"بس دیکھ لیں آپ کو ڈھونڈ تے ڈھونڈ تے ہم یہاں بھی آ پہنچے، ویسے کیسا لگا یہ سرپرائز آپ کو، اوہوں میں کیا پوچھ رہا ہوں اور کس سے پوچھ رہا ہوں، ویسے کچھ بدلی ہیں آپ یہ ابھی بھی ویسی ہی ہیں کاٹنے والی بلی۔" آج وہ اُسے خوب تنگ کرنے کے موڈ میں تھا مگر وہ اُس ڈر سے کہ اُسے یہاں کھڑا کوئی دیکھ نہ لے وہ پاؤں پٹختی اندر جا چھپی

اور رازن کتنی ہی دیر تک وہاں کھڑا اُس کے تعاقب میں نظریں لگایے
مسکراتا رہا

یشرح چوہدری اپنے آفس میں بیٹھے بڑے نواب کی باتوں پر غور کر
رہے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ بڑے نواب اب چُپ کر کہ نہیں
بیٹھیں گے انہیں تو بس بہانہ چاہیے ہوتا ہے۔اُنہیں آج بھی یاد تھا
کہ جب اُن کی بے حد عزیز بہن بے قصور تھی مگر پھر بھی قصوروار گردانی
گئی تھی اپنی بہن کو یاد کر کہ اُن کی آنکھیں بھیگنے لگی تھی۔
فرحین کو حویلی سے باہر قدم رکھنے کی بھی اجازت نہیں تھی نہ اُسے کہیں
جانے دیا جاتا نہ اُس کی کوئی دوست تھی نہ ہمدرد۔ماں کے آگے روتی
چِلاتی اور چیخ کر چُپ کر جاتی۔اِسی بات سے تنگ آ کر وہ ایک دن وہ

چھپ کر حویلی سے باہر نکل آئی یونہی دنیا دیکھنے کی غرض سے کیونکہ جب بلا وجہ بیٹیوں پر پابندیاں لگا دی جاتی ہیں تو اُن میں باغی پن زیادہ زور پکڑنے لگتا ہے۔ وہ اُس کی زندگی کی پہلی اور آخری غلطی تھی وہ ابھی کچھ دور ہی گئی ہو گی کہ پیچھے سے بڑے نواب نے اُس کی گردن دبوچ لی۔ اور اُسی وقت اُس کا نکاح مستعین سے طے کر دیا گیا۔ زرناب بیگم نے بہت سمجھایا کہ ابھی وہ بہت چھوٹی ہے مگر نواب طالش کب کسی کی سنتے۔

فرحین ابھی بہت چھوٹی تھی مگر اُس کی تربیت ایسی ہوئی تھی کہ اُس نے بہت جلد اپنے نصیب کا لکھا اپنا لیا اور اپنی ذمہ داریاں قبول کر لی۔ مگر جب سے اُن کی شادی ہوئی نہ تو نواب طالش اُن سے ملنے گئے نہ ہی انہوں نے حویلی میں قدم رکھا۔ البتہ نواب یشرح اُن کے ہر دکھ سکھ میں شریک ہوتے تھے۔ اُن کی دو اولادیں تھیں نواب عباس کمال اور

لاریب کمال۔ لاریب جب پیدا ہوئی تو بہت کمزور تھی اسلیئے نواب یشرح اُس کا بہت دھیان کرنے لگے اور وہ بھی اُن کے ساتھ بہت اٹیچ ہوگئی۔ اپنے گھر وہ ٹکتی ہی نہ تھی ماموں کو ہی بابا جان کہنے لگی رفتہ رفتہ ایک وقت ایسا آیا کہ وہ اپنے گھر جاتی ہی نہ تھی تو سب نے اُسے اُس کی مرضی پر چھوڑ دیا۔ وہ نواب یشرح کی اتنی لاڈلی بن گئی کہ ہمیشہ اُس کی ہر بات مانتے۔ بڑے نواب کی مخالفت کے باوجود اُسے سکول لے کر جاتے اور اب وہ میٹرک کر چکی تھی اور نواب یشرح اُسے مزید تعلیم دلوانا چاہتے تھے مگر بڑے نواب کے تیور کچھ اور دیکھ کر انہیں کچھ پریشانی لاحق ہوگئی تھی۔ اسی لیے آج انہوں نے مستعین کو اپنے آفس بلایا تھا۔ جو اس وقت رسمی مل ملاپ کے بعد اُن کے سامنے صوفے پر براجمان تھے۔

" کیا بات ہوگئی یشرح اتنی جلدی میں کیوں بلایا؟ سب خیر تو ہے نا؟

"مستعین نے فکرمندی سے پوچھا۔

"ہاں سب خیر ہے، کرم ہے اللہ پاک کا، بس کچھ ضروری بات کرنا چاہتا تھا تم سے ویسے تو حویلی آجاتا مگر وہاں سب کے سامنے بات نہ ہو پاتی اسلیئے تمھیں یہاں بُلا لیا۔" یشرح نے بات مکمل کرتے ہوئے ریسیور اٹھایا اور دو چائے آرڈر کر دی۔

"ہاں ہاں بولا یار کیا بات ہے، لاریب تو ٹھیک ہے نا؟" مستعین کو بیٹی کی فکر ستانے لگی۔

"بس اُسی کے بارے میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں یار میں اُس کو مزید تعلیم کے لئے شہر بھیجوانا چاہتا ہوں مگر تم تو جانتے ہو بابا جان کبھی بھی نہیں مانیں گے اس لئے تمھاری رائے میرے لئے بہت ضروری ہے وہ لاکھ میری بیٹی سہی مگر باپ کا حق تو تمھارے پاس ہی ہے نا۔" نواب یشرح جواب کے منتظر نظر آئے۔

" کیسی باتیں کرر ہے ہو یار جتنی وہ میری بیٹی ہے اُس سے کہیں زیادہ تمھاری بیٹی ہے تم جو چاہو فیصلہ لے سکتے ہو مجھے یقین ہے وہ اُس کی بہتری کے لئے ہی ہو گا، مگر بڑے نواب کبھی نہیں مانیں گے، اور میں بھی یہ کبھی نہیں چاہتا کہ اپنی بیٹی کو شہر بھیجوں تا کہ اس گاؤں میں ایک اور لاج عبدالقیوم پیدا ہو جائے۔" مستعین نے تیر پھینکا مگر شہد میں لپیٹ کہ لیکن اُس میٹھے تیر کا درد بھی یشرح کو اپنی دل میں اٹھتا محسوس ہوا۔

"بس تمھاری رضامندی چاہیے تھی، اب بابا جان کو میں خود ہی دیکھ لوں گا، تم چائے لو نا۔" سکول کا چوکیدار چائے اُن کے سامنے میز پر رکھ گیا تھا۔انہوں نے مروتاً بات بدل ڈالی، اور بے دلی سے ادھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - - -

سورج آج اپنا کہر برسا رہا تھا اسقدر تیز دھوپ کہ درختوں کے سانس رکے ہوئے تھے اور دھرتی کی گود جھلس رہی تھی ہر طرف گرمی اور حبس کا عالم تھا ایسے میں بھی وہ لڑکی اپنے کمرے میں چھپی بیٹھی تھی۔سکول سے واپس آ کر فریش ہو کر بناء کھانا کھائے نواب یشرح اُس کے کمرے میں داخل ہوئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ رات والے معاملے پر ابھی بھی اُن کی گڑیا افسردہ بیٹھی ہوگی۔

"ارے میں اپنی گڑیا کو پوری حویلی میں ڈھونڈتا پھر رہا ہوں اور وہ یہاں چھپی بیٹھی ہے۔" کمرے کا دروازہ کھولتے ہی انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ موسم کافی غبار آلود ہے۔

"ہوں تو کیا بات ہے میری گڑیا رانی کیوں اتنی پریشان ہے اپنے بابا جان کے ہوتے ہوئے بھی؟" جواب نہ پا کر وہ بیڈ پر اُس کے

سرہانے آبیٹھے۔جواتنی گرمی میں بھی سر منہ چادر سے ڈھانپے لیٹی تھی۔وہ ایسی ہی تھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر گھنٹوں اوردنوں تک افسردہ رہنے والی اپنے مزاج کی اولین ۔خوابوں میں جینے والی نازک سی گڑیا۔پھولوں،رنگوں اورتتلیوں پر مرنے والی کومل سے جذبات رکھنے والی پری سی وہ لڑکی بے حد حساس تھی۔

"اچھا میں تو کچھ لایا تھا اپنی گڑیا کیلیۓ،رنگ برنگی چوڑیاں،مگر گڑیا سو رہی ہے تو بابا جان اپنی گڑیا سے ملے بناء ہی چلے جاتے ہیں اور یہ چوڑیاں اُس کے پاس۔۔نہیں ساتھ ہی لے جاتے ہیں خودی قیصرہ پہن لے گی۔"یشرح نے جلتی پر تیل پھینکا تو وہ بھڑک کر اُٹھ بیٹھی۔

" کیا کہا،بابا جان اب میرے لئے لائی ہوئی چیزیں قیصرہ پہنے گی ،آپ جانتے ہیں آپ کے لائے ہوئے تحفوں کو میں کسی کو ہاتھ بھی لگانے نہیں دیتی ہوں اورآپ یہ سب کیسے کہہ سکتے ہیں۔" آنکھیں

سکیڑتے ہوئے ناک بوں چڑھاتے ہوئے وہ جیسے پھٹ پڑی۔

"ارے ارے بابا کی جان۔۔ میں ایسی گستاخی کیسے کر سکتا ہوں، یہ لیں آپ کی چوڑیاں مادام، اور اب بتایں کہ کس بات کا سوگ منایا جا رہا تھا؟" یشرح ہمیشہ ایسے ہی منفرد انداز میں اپنی گڑیا کو منایا کرتے تھے اور جب تک وہ نہیں مناتے تھے اُس کا موڈ بھی قطعاً ٹھیک نہیں ہوتا تھا۔

" کچھ نہیں بس رات بڑے بابا نے۔۔ وہ بابا جان میری کوئی غلطی نہیں ہے میں تو بس وہاں کھڑی تھی کہ۔۔ " اُس نے پوری روداد من وعن سنا ڈالی اور پھر بابا جان کے گلے لگ کر آنسو بہا دیے۔ یشرح سب جانتے تھے مگر انہوں نے اُسے بولنے دیا تا کہ وہ اپنی بھڑاس نکال سکے۔

"اچھا بس اتنی سی بات نے میری گڑیا کو اسقدر پریشان کر رکھا ہے، لو

میں سمجھا کہ آپ نے آم کھا کھا کر سارے درخت خالی کر دیے جو بابا جان اتنے ناراض ہو رہے ہیں۔" انہوں نے اپنے سے جدا کرتے ہوئے اُس کی گال کو پیار سے پچکارتے ہوئے کہا تو وہ بھی کھلکھلا کر ہنس دی۔

"اچھا چلو اٹھو اب مجھے کھانا دو اور خود بھی کھاؤ کیونکہ میں جانتا ہوں میری گڑیا صبح سے بھوکی ہے۔" نواب یشرح نے کہا تو وہ سر ہلاتے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ہاتھوں میں پکڑی چوڑیاں اب اُس نے اپنی کلائیوں میں ڈال لی تھی، وہ ایسے ہی چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوش ہو جایا کرتی تھی۔

- -

کھانے سے فارغ ہو کر وہ عماد اور رازن سے ملنے مہمان خانہ چلے

گئے جو حویلی میں لان سے تھوڑا آگے بائیں طرف تھا۔ وہ دونوں خوش گپیوں میں مصروف تھے نواب یشرح کو دیکھ کر دونوں پلنگ سے نیچے اتر کر احتراماً اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"اسلام علیکم۔ کیسے ہو بچو؟ کوئی مسئلہ تو نہیں در پیش آیا آپ کو یہاں؟ نواب یشرح کمرے میں داخل ہو کر ارد گرد کا موازنہ کرنے لگے کیونکہ ایک عرصے بعد وہ یہاں داخل ہوئے تھے۔

وعلیکم اسلام، نہیں سر کوئی پرابلم نہیں۔ دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

ہوں بیٹھ کہ بات کرتے ہیں، بیٹھو۔ اُنھوں نے اشارہ کیا بیٹھنے کا اور خود بھی سنگل صوفے پر بیٹھ گئے جو پلنگ کے بالکل سامنے دیوار کے ساتھ پڑا تھا۔

ہاں تو رازن بیٹا کیا سوچا ہے آپ نے پھر۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد نواب یشرح نے ہی بات شروع کی۔ انکل آپ مجھے میرے نانا ابو

کے گھر لے جائیں پلیز میں اور عماد وہیں رہیں گے اور عماد کی اپنی گاڑی ہے ہم لاہور روز آ جا سکتے ہیں اسلئے ہم دونوں اپنی تعلیم جاری رکھیں گے۔" رازن نے کہا تو یشرح چوہدری نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہے ہم شام میں چلیں گے آپ ابھی آپ ریسٹ کریں۔" وہ اپنی بات مکمل کر کہ وہاں سے نکل گئے۔

شام ہوئی تو کچھ سکون سا چاروں طرف پھیلا۔ پورے دن کے جھلسے ہوئے پودوے، درخت، چرند پرند اب اپنی سانسوں کو پُرسکون کر رہے تھے۔

نواب یشرح نے ڈرائیور سے کہہ کر رازن اور عماد کا سامان جیپ میں رکھنے کو بولا اور اُن دونوں کے ہمراہ وہ عبدالقیوم کے گھر کیلئے روانہ ہو

گئے ۔ایک بار پھر اُس گھر کو دیکھنا اور ماضی کو دہرانا اُن کے بس سے باہر تھا مگر اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا وہ خود پر ضبط کرتے ہوئے اُن دونوں کے ساتھ چلے گئے۔ جیپ ایک معمولی سے مکان کے سامنے رکی جس کی بوسیدہ عمارت اور دیواروں کی ویرانیاں چیخ چیخ کر اپنا حال سنا رہی تھیں۔ دروازے پر بڑا سا تالا لگا ہوا تھا جسے نواب یشرح نے اپنے ہاتھوں سے کھولا انہیں ہاتھوں سے جن سے انہوں نے لگایا تھا۔

انہیں وہ وقت یاد آنے لگا جب وہ اُس دروازے پر کھڑے اپنی محبت کی بھیک مانگ رہے تھے مگر وہ دروازہ اُن کے منہ پر بند ہو گیا تھا وہ جتنی لاج سے نفرت کرتے اُن کی محبت کی شدت میں اُس قدر اضافہ ہوتا چلا جاتا وہ اپنی خوشیوں کا قاتل لاج کو گردانتے تھے مگر اُن کی ہر خوشی اُسی سے جوڑی تھی ۔اُن کی آنکھوں کے سامنے کئی منظر گزر رہے

تھے لاج کی روئی روئی بڑی سی شفاف آنکھیں تو کبھی اُس کا سرخ جوڑا تو کبھی مہندی کی رات وہ رات مہندی کی نہیں تھی بلکہ اُس رات اُس نے اپنے ارمانوں کو بھی کفن پہنا کہ دفنایا تھا ابھی تالا کھول کہ کھڑے وہ نا جانے اور کیا کیا سوچتے کہ رازان کی پکار پر جاگے۔

"انکل، ماما کا یہاں گھر خالی پڑا تھا اور وہ وہاں کرایے کے مکانوں میں دھکے کھاتی رہی ساری عمر، جیسا بھی گھر تو اپنا ہے نا تو پھر ایسا کیوں کیا ماما نے؟" رازن حیران تھا کہ اُس کی ماں نے ایسا کیوں کیا

۔

"بیٹا کبھی کبھی انسان دوسروں کے سہاروں پر نہیں خود کے سہاروں پر جینا چاہتا ہے وہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے راستے خود بنائے اور اپنی منزلوں کا تعین بھی خود ہی کرے پھر چاہے کتنی ہی مشکلات کتنے ہی مصائب اُن راستوں پر پھن پھیلائے کھڑے ہوں منزل کے حصول کیلئے

سب کچھ وہ اکیلا ہی سہتا ہے، آپ کی ماما بھی ایسی ہی تھی وہ اپنی زندگی اپنے سہارے پر جینے کی عادی تھی اس لئے انہوں نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔" نواب یشرح رازن کے کندھے پر ہاتھ رکھے اُس کی بجائے جیسے خود کو تسلی دے رہے تھے۔

رازن اور عماد گھر کے اندر چلے گئے تھے لیکن یشرح وہی کھڑے اکرم چچا کو کچھ ضروری ہدایات دے رہے تھے صفائی اور دیگر انتظامات کی جبکہ ڈرئیور نے اُن کا سامان اندر پہنچا دیا تھا اب مزید وہاں رکنا اُن کے لئے محال ہو رہا تھا لہذا وہ ڈرائیور کے ساتھ حویلی واپس آ گئے۔

(باقی آئیندہ انشاءاللہ)

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-
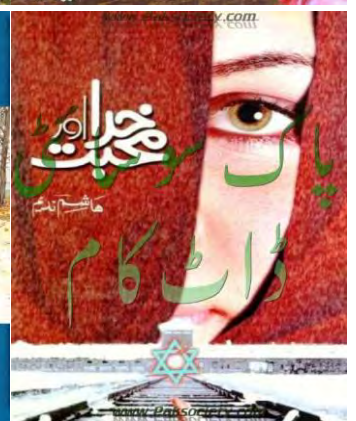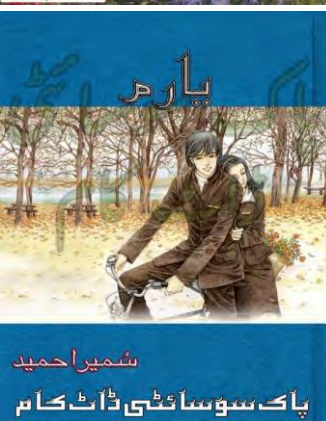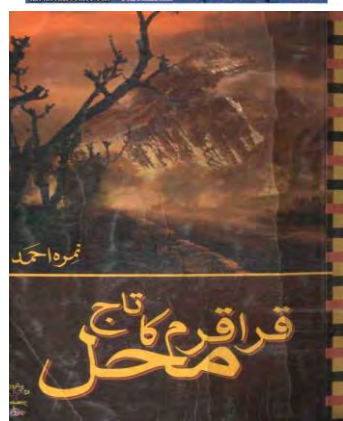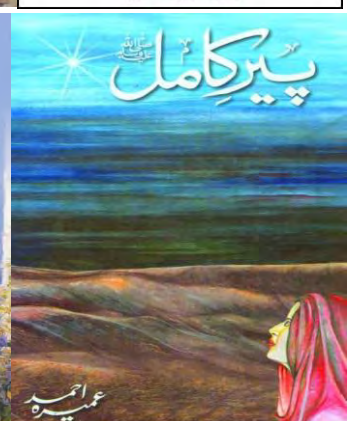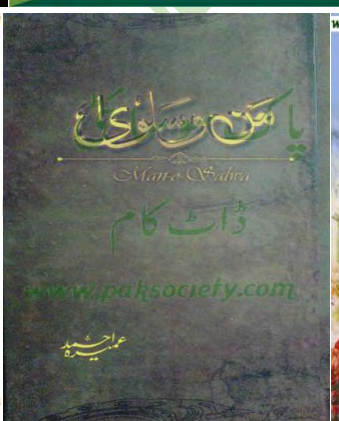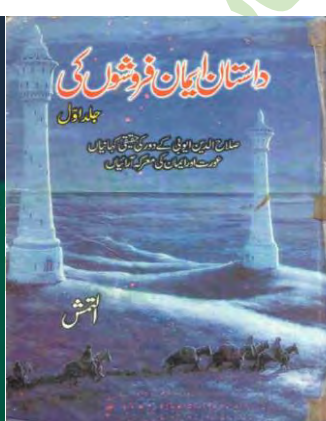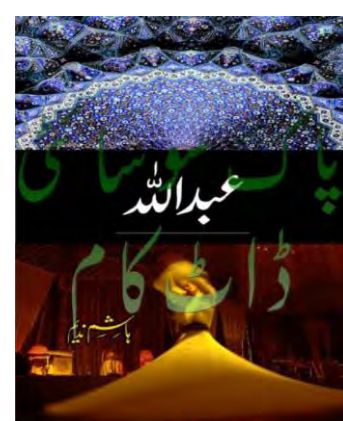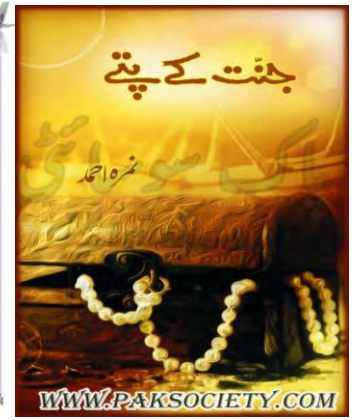
☆ نیچرل بیوٹی ☆

تحریر: فرحین ریاض۔ کراچی

خوبصورتی کیا ہے؟ کوئی گوری رنگت کو خوبصورتی کہتا ہے تو کوئی لمبے بالوں کو خوبصورتی گردانتا ہے، کوئی کسی کی آنکھوں میں ڈوب جاتا ہے، کسی کو دبلا پتلا تمنا سب جسم بھلا لگتا ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ جب تک بالوں، چہرے اور آنکھوں کی اچھی طرح حفاظت اور دیکھ بھال نہیں کی جائے قدرتی حسن نمایاں نہیں ہوتا اچھی بھلی شخصیت بھی متاثر کن نہیں لگتی آپ کا حسن تھوڑی سی توجہ مانگتا ہے فطری حسن نام ہے شفاف جلد، روشن آنکھیں چمکدار بالوں اور دمکتے ہوئے دانتوں کے ساتھ پرکشش خدوخال کا۔۔۔۔ اگرچہ کسی کے خدوخال تو تبدیل نہیں کیے جا سکتے لیکن خدوخال کو قدرتی حسن کا آئینہ دار بنایا

جا سکتا ہے۔ آج کل نوجوان ہی نہیں بلکہ بڑی عمر کی خواتین بھی اپنے
حسن کی حفاظت کرنے لگی ہیں ضروری نہیں کہ بیوٹی پارلر جا کر ہی
اپنے حسن کو چار چاند لگائے جائیں یا پھیکے چہرے بھدے جسم پر
لاکھوں روپے خرچ کر کے ہی اپنے آپ کو نیا لک دیں بس اپنے لیے
تھوڑا وقت نکالیں پھر دیکھیں ذرا سی توجہ کیا رنگ روپ دکھاتی ہے
اچھی صحت کی طرح حقیقی خوبصورتی، انسان کے اندر سے پھوٹتی ہے
ہم جو کھاتے ہیں اس کا گہرا اثر ہماری صحت اور بیرونی جھلک پر پڑتا
ہے موجودہ دور میں یہ آگاہی تیزی سے فروغ پا رہی ہے کہ کیمیکلز
سے بننے والے مختلف کاسمیٹکس، خواتین کو فائدے کی بجائے نقصان
پہنچا رہے ہیں چنانچہ کیمیکلز سے بننے والے کاسمیٹکس کو معاون حسن
کی حیثیت سے ترک کر کے ایسے کاسمیٹکس کی طرف رجوع کیا جا رہا
ہے جو فطری غذاؤں اور جڑی بوٹیوں سے تیار کیے جاتے ہیں فطری

حسن ایکنعمت ہے اب رجحان ایک بار پھر ماضی کا اعادہ کرر ہا ہے حالیہ
برسوں میں ایسی بیوٹی پراڈکٹس کی مقبولیت نے عروج حاصل کیا ہے
جن کے اجزاء فطری مادوں پر مشتمل ہیں گزشتہ کئی برسوں سے ماہرین
جدید سائنسی بنیادوں پر قدرتی مادوں پہ تحقیق کرر ہے ہیں جس طرح
صحت اور غذاؤں کا تعلق ہے اسی طرح غذاؤں اور حسن کا گہرا تعلق
ہے ہم جو کھاتے ہیں اس کا بھرپور اثر ہماری صحت پر پڑتا ہے پھل اور
سبزیوں کی افادیت سے تو سبھی واقف ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ
پھل اور سبزیاں دونوں مانع تکسید یعنی اینٹی آکسیڈنٹ اور کارآمد
وٹامن، معدنیات اور قوت بخش اجزاء مثلاً وٹامن اے بی، سی
ڈی، اور ای سے بھرپور ہوتے ہیں پھلوں اور سبزیوں کو دوسرے
اجزاء کے ساتھ ملا کر مفید اور بہترین فیشل ماسک، اسکن کریم، ہاتھ
ٹریٹمنٹ اور جلد کے مرہم وغیرہ تیار کیئے جاتے ہیں جو بازار میں

بہا آسانی دستیاب ہیں۔کچھ پھل جن میں کیلے،بیریز،انگور،لیمو،کینو آڑو اور انناس وغیرہ مختلف قسم کے فیشل ماسک اسکن کریمز،میک اپ کے سامان خصوصی اینٹی ایجنگ مصنوعات(جو بڑھاپے کے خلاف ڈھال کا کام کرتی ہیں)کی تیاری میں اہم تصور کیئے جاتے ہیں۔اوران قدرتی پھلوں سے بننے والی مصنوعات آپ کی جلد کو ایک نئی تازگی اور ابدی چمک فراہم کرتے ہیں،جلد سے تھکن ،اسٹریس اور بڑھاپے کے اثرات کو کم کرنے میں مدد دیتے ہیں ۔لہذا اپنی جلد کی خوبصورتی اور حفاظت پر خصوصی توجہ دیں اوراس کے لئے قدرتی اجزاء کا استعمال بڑھائیں۔

☆☆☆

☆روشنی کی خاطر☆

تحریر......کہکشاں صابر (فیصل آباد)

"سوری ، مس شمع" ہم آپ کو آپائنٹ نہیں کر سکتے ـ ـ ـ ـ اور لائن ڈسکنکٹ کر دی گئی ......

صرف چند لفظوں میں بات ختم ......

وہ افسوس اور دکھ سے ہاتھ میں پکڑے موبائل کو دیکھ رہی تھی جو روشنی سے سیاہی میں ڈوب رہا تھا ....

کیا قصور ہے میرا ؟

کیوں ہر طرف سے میرے لیے ٹھوکریں ہے ؟

ضبط کے باوجود دو ننھے شفاف موتی آنکھوں کی باڑ پھلانگ کر گال پر لڑکھڑا گئے تھے ، کیوں ہر عزت والا دروازہ میرے لئے ہی بند ہے ؟

وہ وہی گم سم سی کونے میں بیٹھتی چلی گئی سامنے بدرنگے سبز اور میلے دروازے کے پار بے ہنگم شور تھا جو اس کے سر درد کو لمحہ بہ لمحہ تیز کر رہا تھا...... آنسوؤں کی روانگی جب شدت اختیار کر گئی تو اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنے حجاب سے لپٹے کانوں پر رکھ لئے ...... یہ بے سرا شور اس کے لئے نیا نہیں تھا، عادت سی تھی، بچپن سے...... لیکن یہ شور اس وقت اسے بہت تکلیف دے رہا تھا

”کاش آج کی رات یہ آواز بند ہو جائے یا میری سماعت ختم ہو جائے
“

لیکن نہیں، اس دعا کی قبولیت کا دروازہ بھی تو اس نے خود اپنے ہاتھوں سے بند کیا تھا جب اسے آزادی کا، ہاں! اس حبس بھری قید سے رہائی کا موقع ملا تھا راتوں کو زندہ ہونے والے اس نور محل میں رہتے ہوئے ،بچپن سے ہر سیڑھی کو، اس پہ لگے دروازے کو بہت مشکل سے پار کیا

تھا،صرف اس سیاہ اندھیری رات سے سفید اجالے کی خاطر اب آخر سیڑھی اور آخری دروازہ لیکن روشنی میں بسنے والوں نے اس آخری دروازے کے پار بہت بڑا اور مضبوط تالا لگا دیا تھا وہ تین سال سے اس آخری سیڑی پہ، اک پاؤں پر کھڑی اب تھکنے لگی تھی ہزاروں چابیاں لگا کر دیکھ چکی تھی ،لیکن بے سود، بے کار عزت کی روزی صرف روشنی والوں کے لئے ہی کیوں؟ جو راتوں کو منہ چھپائے سیاہی کی گلیوں میں چکر لگاتے ہیں......

تف ہے، اس نے نفرت سے اپنے سر کو ایک طرف جھٹکا...... بے سرے شور میں اک مانوس آواز نے بھی اپنا حصہ بنایا۔

تو چلی جا، چلی جا یہاں سے،، مصنوعی زیور کو سجائے جھریوں والے ہاتھ نے اس سے التجا کی تھی......

اس نے آنکھوں کو زور سے میچ کر سر نفی میں ہلایا......

دوسری آواز نے جواب کے لئے لب کھولے، میں اس گندی نالی کی پیداوار ہوں ماں، کیسے اس جگہ کا لیبل اپنے ماتھے، اپنی قسمت سے کھرچ کر اتار سکتی ہوں اس سوہنے رب کا کرم ہے کہ روشنی والوں کی طرح ہمیں بھی حضرت آدمؑ کی اولاد ہونے کا شرف بخشا، نیکی اور انسانیت تو ہماری فطرت میں ہے ان چیزوں کو یہ چھم چھم کرتی بیڑیاں جکڑ نہیں سکتی" ہر مشکل آسان کرنے والی پختہ آواز نے صدا بلند کی اس نے دائیں طرف کھڑکی کو دیکھا جہاں سے چاند ننھے تاروں کی سنگ سیاہ آسماں پر دمک رہا تھا، شائد کوئی حوصلہ یا پیغام دے رہا تھا آنے والی نئی نوید صبح کا پیغام.....................

☆☆☆

☆ افسانہ "دل کا موسم" ☆

از: کشف بلوچ۔

رنگوں کا انتخاب بھی انسانی سوچ کی نمائندگی کرتا ہے اگر حقیقی زندگی کا کینوس خوبصورت رنگوں سے سجا ہو تو اسکے اثرات انسان کے ارگرد کی ہر چیز میں نظر آتے ہیں یا یوں کہہ کہہ لیں کہ اگر انسان کے اندر خوشی ہو تو اسے باہر کی ہر چیز میں بھی خوبصورتی دکھائی دیتی ہے

اکثر افسردہ اور گم صم رہنے والی ثمینہ کا چہرہ آج بہت کھلا کھلا تھا...... آج سلائی سینٹر میں کپڑوں پر کڑھائی کرتے وقت سفید جارجٹ کی قمیض پہ اسنے سرخ رنگ کے دھاگوں سے بہت خوبصورت پھول کاڑھے...... سوئی ہاتھ میں پکڑے وہ دھیرے

دھیرے گنگناتی، مسکراتی پھر کسی خیال میں کھو سی جاتی، تھوڑی سی شرماتی اور پھر سے پھول کاڑھتے ہوئے رنگوں سے کھیلنے لگ جاتی آج گھنٹوں کا کام اس نے جیسے منٹوں میں کر لیا...... ویسے تو ثمینہ کے ہاتھوں میں بہت نفاست تھی مگر آج جو اس نے سرخ پھول کاڑھے انکی چھب ہی نرالی تھی اور سفید قمیض پہ سرخ پھول بہت جچ رہے تھے...... میں کیا سینٹر کی ساری لڑکیاں ہی سراہے بنا نا رہ سکی..................

"خیر تو ہے سرکار"؟ میں جونہی کام سے فارغ ہوئی ثمینہ کے پاس آ کر سرگوشی میں پوچھا جس سن کر وہ چونکی اور دھیرے سے مسکرا دی...... سانولی سلونی ثمینہ سے میری ملاقات اسی سلائی سینٹر میں ہوئی ابتدائی گفتگو کے بعد ہی ہماری دوستی ہوگئی وجہ شاید ہمارے ایک جیسے حالات تھے ثمینہ بھی میری طرح غریب گھر سے تھی ثمینہ نے

میٹرک کے بعد گھر کے خراب حالات کی وجہ سے اپنی تعلیم ادھوری چھوڑ دی اور اب کسی اچھے رشتے کے انتظار میں بیٹھی تھی......سلائی سینٹر میں کام کرنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ ایک تو ہنر ہاتھ آ جاتا اور دوسرا یہاں آ کر وقت بھی اچھا گزر جاتا تھا ورنہ گھر میں تو رشتے کے انتظار میں بیٹھی لڑکیاں اکثر نفسیاتی مریضہ بن جاتی ہیں

....

"ہاں بس کل کچھ خاص مہمان آ رہے ہیں" میرے اصرار کرنے پہ ثمینہ نے شرماتے ہوئے کہا "اوہ اچھا اس لئے گال گلابی گلابی ہو رہے ہیں" میں نے پیار سے اسکے گالوں پہ چٹکی کاٹی تو وہ ہنس دی تھوڑی دیر بعد ہی کام شروع ہوا تو ہم دونوں ہی مصروف ہو گئے

....

چھٹی والا دن بھی ہم جیسی غریب لڑکیوں کی زندگی میں کچھ خاص

نہیں لے کر آتا سو اس دن بھی معمول کے کام نبٹاتی رہی ......کام کرنے کے دوران جونہی دھیان ثمینہ کی طرف گیا میں نے فورا اسکے اچھے نصیب کی دعا کر ڈالی ....

آہ...........میں سینٹر میں اپنی سیٹ پہ بیٹھی کڑھائی کرنے میں مشغول تھی جبھی اک ہلکی سی سسکی نے مجھے چونکا دیا......میں نے سر اٹھا کر دیکھا ثمینہ اپنی انگلی دانتوں میں دبائے بیٹھی تھی آج صبح سے سینٹر میں اتنا کام تھا کہ مجھے سر اٹھانے کی فرصت نا ملی......میں نے قمیض سائیڈ پہ رکھی اور ثمینہ کی طرف چلی آئی سوجی آنکھیں اور بے رونق چہرہ جیسے وہ ساری رات روتی رہی ہو......ثمینہ کی ایسی حالت دیکھ کر میں پوچھے بنا نا رہ سکی......

"پھر انکار کر دیا ان لوگوں نے" ثمینہ نے افسردگی سے کہا اور سر جھکا لیا اور میں نے اسکے چہرے سے نظر ہٹا کر اس سفید قمیض کی طرف

دیکھا جہاں وہ بھدے سے ٹیڑھے میڑھے پھولوں میں زرد رنگ کے دھاگوں سے کڑھائی کر رہی تھی ....

☆☆☆

☆ بندِ قُبا کھلنے لگی جاناں ☆ (قسط نمبر۲)

مصنفہ۔سعدیہ عابد

''مطلب ہے۔''اس کی بھرائی ہوئی آواز اسے پریشان کر رہی تھی۔

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔''

'' مگر میں آپ سے ملنا نہیں چاہتی؟ بہت بنا لیا آپ نے مجھے بے وقوف؟ مگر اب میں آپکے ہاتھوں بے وقوف ہر گز نہیں بنوں گی۔''

''میری بات تو سنو یسریٰ!''

''نہیں سننی مجھے آپ کی کوئی بات، آپ بہت امیر ہیں نا؟ آپ کو تو کوئی بھی مالدار لڑکی مل سکتی ہے میرے جیسی غریب لڑکیوں سے تو آپ جیسے امیر زادے محض فلرٹ کرتے ہیں، ہمارے جذبات سے کھیلتے ہیں، ہماری بے بسی کا مذاق اڑاتے ہیں۔''

" بکواس نہیں کرو۔"

"اب میری ہر بات بکواس ہی لگے گی نا، مگر میں بکواس نہیں کر رہی اسجد! آپ نے میرے جذبات کو بری طرح ٹھیس پہنچائی ہے، مجھے زندگی کبھی اچھی نہیں لگی، سسکتی ہوئی زندگی، آپ سے ملنے کے بعد جانا زندگی کتنی حسین ہے، جینے کی تمنا کرنے لگی تھی میں اور آج آپ نے ساری تمناؤں کو اپنے قدموں تلے روند ڈالا، میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی، میری موت کے بعد تو آپ بھی سکون سے نہیں جی سکیں گے ۔"

"شٹ اپ، اب ایک لفظ اور کہا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا، اسٹاپ پر آؤ، میں تمہیں پک کرلوں گا۔" وہ اٹھتے ہوئے غصے سے کہہ رہا تھا۔

" مگر میں ۔۔۔!"

" کہا ناں ۔۔۔ کچھ مت بولو۔" گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے اسے ڈپٹا تھا۔

''میں نہیں آؤں گی۔'' وہ چیخی تھی۔

'میں پہنچ کر تمہیں میسج کر دوں گا اور تم 5 منٹ میں نہیں آئیں تو میں تمہارے گھر آ جاؤں گا۔'' پارکنگ کی طرف جاتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا تھا۔

''آپ اب مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟'' وہ دھیمی پڑ گئی تھی۔

''آؤ تو بتاؤں گا۔'' یہ کہہ کر فون بند کر دیا تھا، اس کے آفس سے یسریٰ کے گھر کا راستہ تقریباً 45 منٹ کا تھا مگر وہ محض 25 منٹ میں ریش ڈرائیونگ کرتا وہاں پہنچا تھا، میسج کرنے کے 10 منٹ بعد وہ ایک تنگ ، پتلی سی گلی سے آتی دکھائی دی تھی اور اس نے فرنٹ ڈور کھول دیا تھا۔

''آپ کو جو بات کرنی ہے یہیں'' ...

''خاموشی سے بیٹھتی ہو یا چاہتی ہو کہ میں تمہارے ساتھ زبردستی کروں؟'' اسجد نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا، ملگجے کاٹن کے پرنٹڈ سوٹ میں بڑی سی سیاہ چادر میں وہ خود کو لپیٹے اور اسی کا حصار چہرے پر

کئے بھیگی آنکھوں کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی اور اس نے فوراً ہی گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی وہاں سے بڑی تیزی سے نکالی تھی۔

☆☆☆

"بھابی بیگم! آپ بات کر لیں بھائی صاحب سے، پھر وہ جیسا کہیں گے میں مہوش سے کہہ دوں گی۔"

"وہ سب تو ٹھیک ہے فریدہ! مگر مجھے نہیں لگتا کہ نوید راضی ہوں گے 20,15 دن میں شادی کرنا آسان نہیں ہے۔" وہ گومگوسی کیفیت میں بولی تھیں۔

"بھابی بیگم! تیاریاں تو 20 دن میں بھی ہو سکتی ہیں اور فضیل دیکھا بھالا لڑکا ہے؟ فیملی کو ہم اچھے سے جانتے ہیں اور مہوش کو جہیز وغیرہ نہیں چاہیے۔"

"لیکن فریدہ! ہم بیٹی کو خالی ہاتھ رخصت تو نہیں کر سکتے۔"

"لیکن جہیز لینے سے مہوش اور فیاض بھائی دونوں نے ہی سختی سے منع کر

دیا ہے، وہ کہہ رہے تھے شادی 20 دن میں ہو یا 20 ماہ بعد، وہ جہیز نہیں لیں گے، خدا کا دیا ان کے پاس سب کچھ ہے وہ صرف زرمین کو رخصت کر کے لے جانا چاہتے ہیں۔"

"یہ باتیں فون پر کرنے کی نہیں ہیں، گھر آؤ گی تو بات کریں گے، ہم اپنی لڑکی کو خالی ہاتھ تو کبھی رخصت نہیں کریں گے، یہ بات مہوش کے کان میں ڈال دینا۔"

"مہوش سے میری تفصیل سے بات ہو چکی ہے، وہ جہیز لینے سے منع کر رہی ہے مگر اس نے کہا ہے کہ آپ زرمین کو جو دینا چاہیں دے سکتی ہیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی بھلا؟"

"ارے بھابی بیگم! صاف بات تو ہے، گھر کے ساز و سامان یعنی فریج، ٹی وی، فرنیچر وغیرہ جیسی چیزوں سے ہٹ کر آپ زرمین کو زیور، کپڑے جو چاہیں دیں، وہ لوگ زرمین کو کچھ دینے سے منع نہیں کر رہے اور جب

ان کے گھر میں یہ سارا سامان پہلے سے موجود ہے تو وہ نہیں لینا چاہ رہے اور اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے، آپ یہ سب بھائی صاحب کو بتا کر کوئی فیصلہ کر لیں، میں رات کو یا پھر کل فون کروں گی۔" ارحم کو وہاں آتے دیکھ انہوں نے بات کو سمیٹا تھا"""اور فون رکھ کر اس تک چلی آئی تھیں۔

"السلام وعلیکم! مما!" اُس نے ماں پر سلامتی بھیجی تھی

☆☆☆

"وعلیکم السلام بیٹا! جیتے رہو؟ آج اٹھنے میں بہت دیر کر دی؟" بیٹے کے ذرا سا جھکنے پر انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"بس مما! آج مجھے کچھ لیٹ جانا ہے اس لیے سکون سے سوتا رہا، آپ بتایئے ناشتے میں کیا ہے؟ سخت بھوک لگ رہی ہے۔" وہ سیدھا ہوتا ہوا مسکرایا تھا، وہ صبح جلدی اٹھنے کا عادی تھا، مگر پچھلے 2 ماہ سے اس کی روٹین اتنی ٹف ہو گئی تھی کہ حد نہیں، رات دیر تک سونا اور صبح جلدی اٹھنا

،آج موقع ملا تھا تو وہ دن چڑھے تک سوتا رہا تھا، اسے ایک کیس کے سلسلے میں 2 بجے تک پولیس اسٹیشن پہنچنا تھا، اس لئے اس نے ساڑھے 12 کا الارم لگایا تھا تا کہ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر آرام سے وہاں پہنچ جائے۔

''مائدہ بیٹا! پہلے بھائی کیلیے ناشتہ بنا دو، دوپہر کے کھانے کی تیاری بعد میں کر لینا۔'' انہوں نے مائدہ کو بلا کر کہا تھا اور وہ دونوں ڈائننگ ہال میں ہی بیٹھ گئے تھے، مائدہ نے پہلے اس کیلیے چائے بنائی تھی اور اسے دے کر وہ پراٹھا بنانے لگی تھی، کیونکہ ارحم سلائس اور پاپے وغیرہ نہیں کھاتا تھا۔

''ارحم! تمہیں جیسے فراغت ملے اپنے ماموں کے گھر کا چکر ضرور لگا لینا۔''

''آج تو ممکن نہیں ہے، کل کوشش کروں گا، ویسے کیا کوئی خاص بات ہے؟''

"ہاں خاص بات تو ہے، پچھلے کچھ ہفتوں سے تم اتنے مصروف رہے کہ میں تمہیں کچھ بتا ہی نہیں سکی اور جو کچھ بھی ہوا بہت جلدی میں ہو گیا۔"

وہ سمجھ گیا تھا کہ فریدہ اس کو اب کیا بتانے لگی ہیں، مگر اس نے ظاہر نہیں کیا تھا کیونکہ وہ ماں کو ٹوکنا نہیں چاہتا تھا۔

"فضیل کا زرمین کیلیے مہوش نے رشتہ ڈالا تھا، فضیل گھر کا ہی دیکھا بھالا بچہ ہے، بھائی صاحب نے فضول کے جھنجٹوں میں پڑنے سے بہتر مثبت جواب دے دیا۔"

"یہ تو اچھی بات ہے مما! اور ویسے بھی فضیل، زرمین کو پسند کرتا ہے، اچھا ہی ہے دونوں کی شادی ہو جائے۔"

"تم نے مجھے پہلے کبھی نہیں بتایا کہ فضیل؟ زرمین کو پسند کرتا ہے؟ تو تم نے اسی لئے زرمین سے شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا؟"

"مما! مجھے لگتا تو تھا کہ فضیل انٹرسٹڈ ہے زرمین میں اور میں نے کبھی زرمین کے بارے میں اس طرح نہیں سوچا تھا، اس لئے منع کیا تھا

،فضیل کا ذکر میں نے اس لئے نہیں کیا تھا کہ میں چاہتا تھا کہ فضیل اپنے دل میں زرمین کیلیے سوفٹ کارنر رکھتا ہے تو خود ظاہر کرے، خیر! ان باتوں کو رہنے ہی دیجئے اور یہ بتائیے کہ شادی کا کب تک ارادہ ہے؟''

''مہوش کے بھائی کی طبیعت خراب ہے، انہیں بلڈ کینسر ہے، اس لئے وہ لوگ اسی ماہ شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔''

''رات کو ہی تو میری فضیل سے بات ہوئی ہے، وہ تو 3 ماہ بعد شادی کا کہہ رہا تھا۔''''اتنی جلدی کا سن کر وہ بے حد حیران ہوا تھا۔

''مہوش چاہ رہی ہے کہ دونوں بیٹوں کی شادی ساتھ ہی کر دے، کیونکہ فیاض بھائی کی طبیعت بھی کچھ ٹھیک نہیں رہتی اور جب فیصل کی ہو ہی رہی ہے تو فضیل کی بھی ساتھ ہی ہو جائے گی اور ویسے بھی شاکر بھائی سادگی کو پسند کرتے ہیں، شادی ابھی ہو گی یا سال بعد، ہو گی تو سادگی سے ہی، کیونکہ شاکر بھائی مہندی وغیرہ جیسی رسموں کے سخت خلاف ہیں ،اس لئے میں نے بھابی بیگم سے بات تو کی ہے، دیکھو بھائی صاحب کا

کیا فیصلہ ہوتا ہے۔''

''اور آپ نے مائدہ کی اور راحم کی شادی کب تک کرنے کا سوچا ہے؟''

مائدہ ابھی اس کا ناشتہ رکھنے آئی تھی تو اسے خیال آیا تھا اور اس کے جاتے ہی اس نے پوچھا تھا۔

''منگنی کے وقت تو یہی طے ہوا تھا کہ سال، چھ مہینے میں مائدہ اور اسجد کی شادی ہوگی اور راحم وشاز مین کی زرمین کے ساتھ ہوگی، زرمین کی ابھی شادی ہو جاتی ہے تو 7,6 ماہ بعد ان بچوں کی بھی شادی کر دیں گے، تم اپنی بتاؤ، تمہارا اپنا کب تک شادی کرنے کا ارادہ ہے؟'' وہ بیٹے کیلئے گلاس میں جوس نکالتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھیں، وہ جو ناشتہ کرتے ہوئے غور سے انہیں سن رہا تھا، محض مسکرا دیا تھا۔

''مما صرف 4 سال دے دیں، 4 سال بعد جس سے کہیں گی، شادی کر لوں گا۔''

''ارحم 4 سال بہت ہوتے ہیں، 6,7 ماہ میں راحم کی شادی کر دی تو اس

کے بچے جب تک کتنے بڑے ہو جائیں گے۔"

"اچھا ہے نا مما! راحم کی شادی کر کے بہولانے کا خواب پورا کریں اور اس کے بچوں کو کھلا کر دادی بننے کا۔"

"اور تمہیں یونہی تمہارے حال پر چھوڑ دوں؟" وہ خفا ہوئی تھیں۔

"مما! مجبوری ہے ناں، سمجھا کریں۔"

" کیا سمجھوں؟ 4 سال بعد پتہ ہے کتنے برس کے ہو جاؤ گے؟ پورے 32 کے اور بڈھے کو لڑکی کون دے گا؟" ان کی ناراضی بڑھتی جا رہی تھی۔

"مما! 32 سال کی عمر میں کوئی بڈھا نہیں ہو جاتا اور میں یہ کب کہہ رہا ہوں کہ 4 سال بعد ہی شادی کروں گا، میں تو بس آپ سے کچھ وقت مانگ رہا ہوں، سیٹ ہو جاؤں گا تو شادی کرلوں گا، ابھی آپ خود بتائیں، کتنے کتنے دن میں آپ لوگوں کے ساتھ بیٹھ نہیں پاتا، میرے کھانے کی، آنے جانے کی بھی کوئی ٹائمنگ نہیں ہے، میری بیوی لے

آئیں گی تو میری اس ٹف لائف سے وہ بے چاری کیسے کمپرومائز کرے گی؟ مجھے بھی سیٹ ہو جانے دیجئے، پھر کرلوں گا شادی۔" اس نے نرمی سے کہتے ہوئے آہستگی سے ماں کے کاندھے پر دباؤ ڈالا تھا۔

"یہی بات ہے یا کسی لڑکی کا چکر ہے؟"

"خدا کو مانیں مما! ایسی کوئی بات نہیں ہے، با خدا کوئی لڑکی دل و نگاہ کو اچھی لگی تو ضرور بتاؤں گا، ورنہ آپ کی پسند کی لڑکی سے شادی کرلوں گا، ابھی آپ مائدہ اور راحم کی شادی کی تیاریاں کریں اور مجھے اجازت دیں، مجھے 2 بجے ڈیوٹی پر لازمی پہنچنا ہے اور ابھی مجھے تیار بھی ہونا ہے ،ویسے یہ پاپا کہاں ہیں"؟ دکھائی نہیں دیئے۔" نکلتے ہوئے خیال آیا تو پوچھا تھا۔

"اپنے کسی دوست کی طرف گئے ہوئے ہیں، تم جانے کی تیاری کرو جا کر اور پلیز یاد سے ماموں کے ہاں چکر لگا لینا، بھائی صاحب تمہیں یاد کر رہے ہیں۔" بیٹے کو ہدایت کی تھی۔

''اوکے مما! ٹائم نہیں نکال سکا تو فون پر ان سے بات کرلوں گا۔'' وہ کہتا ہوا سیڑھیاں چڑھ گیا تھا۔

''مائدہ بیٹا! یہ برتن اٹھالو، میں اپنے کمرے میں جارہی ہوں، نماز پڑھ کر کچھ دیر آرام کروں گی۔''

''مما! کھانا نہیں کھائیں گی؟''

''ڈھائی بجے تک راحم نے آنے کا کہا تھا، ساتھ ہی کھالوں گی، تم کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرلینا، صحت کا خیال رکھا کرو بیٹا!'' وہ اس کا گال تھپتھپا کر بہت پیار سے کہتیں اپنے روم میں چلی گئی تھیں۔

☆☆☆

''آپ مجھے کہاں لے جارہے ہیں؟'' وہ عموماً ایک ہی ریسٹورنٹ میں جاتے تھے، اس لئے وہ راستہ دیکھ کر بولی۔

''اغواء کر کے لے جارہا ہوں۔'' وہ بڑے اطمینان سے بولا تھا اور اس کی سٹی گم ہوگئی تھی۔

''آپ... آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں؟''

''ہوں... تم میری محبت میں جان دے سکتی ہو، تو کیا تمہاری محبت میں ، میں اتنا سا بھی نہیں کر سکتا؟'' مہارت سے ڈرائیو کرتے ہوئے اس کے حواس باختہ آنسوؤں سے تر چہرے پر نظر ڈالی تھی، مستقل رونے سے اس کی آنکھیں سرخی مائل ہو کر سوج گئی تھیں اور ناک سرخ ہو گئی تھی جبکہ آنکھوں کا کاجل بھی پھیل گیا تھا۔

''آپ مجھ سے محبت ہی کب کرتے ہیں؟''

''محبت نہیں کرتا، اسی لئے تو اغواء کر کے لے جا رہا ہوں۔'' اس کے ہوائیاں اڑاتے چہرے کو دیکھ کر اسے مذاق سوجھا تھا جبکہ وہ اس کے مذاق کو سچ سمجھ بیٹھی تھی۔

''میں محبت میں جان تو قربان کر سکتی ہوں اسجد! مگر عزت نہیں۔'' وہ دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے سسک اٹھی تھی اور وہ تو پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے فرسٹریشن میں ایسی بات کر دی تھی کہ وہ اسے اغواء

کر کے لے جا رہا ہے مگر وہ تو سیر لیس ہو گئی تھی۔

''یسریٰ! پلیز چپ کر جاؤ تمہارے آنسو مجھے تکلیف دے رہے ہیں، میں تمہارے بارے میں ایسا ویسا سوچ بھی نہیں سکتا، اگر تمہیں لگتا ہے کہ میری نیت میں فتور ہے، تو میں تمہیں ایک لمحہ ضائع کئے بنا تمہارے گھر چھوڑ دیتا ہوں۔'' اسے چپ ہوتے نہ دیکھ کر اس نے گاڑی بیک کرنا چاہی تھی کہ وہ اسٹیئرنگ پر رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ گئی تھی۔

''میں نے کبھی آپ کو یا آپ کی محبت کو شک کی نظر سے نہیں دیکھا، پہلے آپ نے کہا کہ مجھ سے محبت نہیں فلرٹ کر رہے تھے' بعد میں کہا کہ اغواء کر کے لے جا رہے ہیں، میں آپ کو کیا سمجھوں؟ آپ کا کون سا روپ سچا سمجھوں اسجد! وہ روپ جب آپ نے محبت کا اقرار کر کے ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھائی تھیں مجھے اپنا بنا لینے کے وعدے کئے تھے یا اس روپ کو حقیقت سمجھوں جو مجھ سے میری محبت چھین لینا چاہتا

ہے۔''وہ ہچکیوں کے درمیان لرزتے لہجے میں کہہ رہی۔

''تم پلیز! چپ کر جاؤ، میں تمہیں سب بتا دیتا ہوں، تم رونا بند کرو۔''

اس کا رونا اسجد کو اریٹیٹ کر رہا تھا۔

''آپ مجھ سے محبت تو کرتے ہیں نا اسجد!''وہ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکالتے ہوئے بڑی آس سے پوچھ رہی تھی۔اس کے اس طرح پوچھنے میں کتنی بے چینی اور کرب چھپا تھا،اس نے شدت سے محسوس کیا تھا۔

''فون پر آپ نے جو کچھ کہا''...

''وہ سب جھوٹ، بکواس تھی یسریٰ! میں تم سے فلرٹ نہیں کر رہا،ڈیم اٹ! تم سے پیار کرتا ہوں،خود سے زیادہ تمہیں چاہتا ہوں۔''

''پھر ان سب باتوں کا کیا مطلب تھا؟ آپ نے مجھ سے وہ سب کیوں کہا؟ اب یہ مت کہیے گا کہ میں مذاق کر رہا تھا،تمہیں آزما رہا تھا۔''

یسریٰ نے ہاتھ کی پشت سے آنسو رگڑتے ہوئے اسے جھوٹ نہ بولنے

کی تنبیہہ کی تھی۔

''میں نے وہ سب مذاق میں نہیں حقیقت میں کہا تھا، کیونکہ میں چاہتا ہوں کہ تم اس شخص سے شادی کرلو جس سے تمہارے گھر والے کرنا چاہتے ہیں۔'' اسجد نے اس کے متورم چہرے سے نگاہ ہٹالی تھی، اس لڑکی کو وہ بہت چاہتا تھا، اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا نہیں چاہتا تھا ،مگر آج خود ہی اسے رلا رہا تھا۔

''آپ اپنے مشورے اپنے پاس رکھیں، میں ایسا کبھی نہیں کروں گی، محبت کسی سے اور شادی کسی اور سے... جس سے محبت کی ہے اسی سے شادی کروں گی۔'' وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بول رہی تھی کہ اس نے ٹوک دیا تھا۔

'' مگر میں تم سے شادی نہیں کرسکتا''

3 ''سال بعد آپ کو خیال آرہا ہے کہ آپ مجھ سے شادی نہیں کرسکتے؟''

''میں بہت مجبور ہوں۔ یسریٰ! تم سے محبت کرتا ہوں۔''

"مگر اپنانے کا حوصلہ نہیں ہے، بزدلوں کے منہ سے محبت کے قصے اچھے نہیں لگتے اسجد! اور ایسی کیا مجبوری ہے آپ کی کہ آپ محبت کا دعویٰ تو کر رہے ہیں مگر اسی محبت کو اپنا نہیں سکتے؟"

"میں تم سے محبت کا محض دعویٰ نہیں کرتا، محبت کرتا ہوں تم سے، مگر کیا کروں یسریٰ! میری منگنی ہو گئی ہے اور میں کچھ نہیں کر سکا کیونکہ"...

وہ شکستگی سے اپنی کمزوری کا اعتراف کر رہا تھا کہ وہ جو اس کے انکشاف پر لمحہ بھر کو ساکت ہوئی تھی، چیخ اٹھی تھی۔

یہ ہے آپ کی محبت اسجد! کہ آپ نے کسی اور سے منگنی کر لی؟ وہ شکستہ نگاہوں سے بے بسی کی تصویر بنے اسجد کو دیکھ رہی تھی۔ آپ کہتے ہیں کہ آپ کچھ نہیں کر سکے، منگنی کر لی، شادی کر لیتے تب کہتے کہ آپ نے کچھ کیا ہے۔ وہ تو اس کے انکشاف پر دہل کر رہ گئی تھی۔

مجھے منگنی سے محض تین دن پہلے ہی پتہ چلا تھا یسرٰی، کہ میری منگنی ہو رہی ہے۔ اس کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے سمجھائے۔

منگنی ہو رہی نہیں تھی ہوگئی، مجھے تین سال تک لٹکا کر رکھا، میں نے اپنے لئے آنے والے ہر رشتے کو ٹھکرایا صرف آپ کی خاطر، خالہ جان کے طعنے سنے کہ مجھے ان کے ٹکڑوں پر پلنے کی عادت ہوگئی ہے۔

خالہ کے بیٹے کو مایوس کیا آپ کی خاطر اور آپ نے منگنی کر لی... جب میں اتنی کٹھنائیاں آپ کی محبت میں برداشت کر سکتی ہوں تو آپ اپنی منگنی ہونے سے نہیں روک سکتے تھے، روکنا چاہتے تو روکتے، مجھے اور میری محبت کو وقت گزاری ہی تو سمجھا تھا آپ نے، تو پھر کیا ضرورت پڑی تھی جو آپ میری خاطر اسٹینڈ لیتے۔"

"یسریٰ! میری منگنی پھپھو کی بیٹی سے ہوئی ہے، میں نے ابو سے بات کرنا چاہی تھی، مگر انہوں نے صاف کہہ دیا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا، وہ بہن کو زبان دے چکے ہیں اور میں نے یہ منگنی نہیں کی تو وہ مجھ سے ہر تعلق ختم کر لیں گے، بات اتنی سی بھی ہوتی تو میں منگنی نہیں کرتا، مگر ابو نے اپنی جان لے لینے کی دھمکی دی تو میں مجبور ہو گیا۔ یقین کرو میرا

یسریٰ! میں تمہیں بہت چاہتا ہوں، میں نے جو کچھ کیا مجبوری میں کیا۔"

"اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"میں تمہارا مجرم ہوں یسریٰ! جو چاہے سزا دے دو، مگر اتنا یاد رکھنا کہ میں نے تم سے محبت کی ہے، مگر شاید ہماری محبت کے نصیب میں وصل نہیں ،ہجر لکھا گیا ہے، میں تو بس یہی چاہتا ہوں کہ تم جہاں رہو خوش رہو ،میری دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گی، مجھے معاف بھلے مت کرنا ،مگر زندگی کے سفر میں کسی کی ہمراہی میں آگے بڑھ جانا، خواہش تو بہت تھی کہ تمہارا ہمسفر بنوں، مگر یہ خواہش۔۔۔ خواہش ہی رہ گئی۔"

"آپ کسی کا بھی ہاتھ تھام کر زندگی گزار سکتے ہیں؟ مگر میں اتنی باہمت نہیں ہوں؟ مجھ سے یہ سب نہیں ہوگا؟ میری جان مانگیں گے تو ہنستے ہنستے آپ کے قدموں میں جان دے دوں گی؟ مگر جو آپ مجھ سے مانگ رہے ہیں؟ وہ میری زندگی سے بڑھ کر ہے؟ ہجر زدہ زندگی گزارنے سے تو بہتر ہے میں اپنی جان

دے دوں" وہ ایک دم ہی بکھر گئی تھی؟ اس کی شرٹ کا کالر سختی سے مٹھی میں دبوچے آنسو بھری آنکھوں سے اس کا مضمحل چہرہ تک رہی تھی۔

"یسریٰ! ایسی باتیں مت کرو۔"

"مجھے موت کا سندیسہ دے کر آپ کہتے ہیں میں زندگی کے گیت گاؤں، تو یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔" وہ تڑپ رہی تھی اور تڑپ تو وہ بھی رہا تھا، مگر حوصلہ کیے بیٹھا تھا کہ اگر اس نے بھی ہمت ہار دی تو وہ مزید بکھر جائے گی اور وہ اسے بکھرنے نہیں دینا چاہتا تھا۔

"زندگی میں انسان کو سب ہی کچھ نہیں مل جاتا اور تمہارے جینے کیلئے یہ احساس کافی نہیں ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں؟" اس کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اونچا کیا تھا۔

"نہیں، اسجد! میں کسی کے ساتھ دھوکا نہیں کر سکتی، محبت آپ سے اور شادی کسی اور سے... مجھے کیوں اذیت دے رہے ہیں؟ ایک دفعہ اپنے گھر والوں سے بات تو کر کے دیکھیں، بابا نہیں مان رہے تو مما

سے بات کریں، میں آپ کے بغیر نہیں جی سکتی۔" وہ اس کے کاندھے پر سر رکھ گئی تھی اور اس کا شانہ اس کے آنسوؤں سے بھیگنے لگا تھا۔

"تم سمجھ نہیں رہیں یسریٰ!

"میری کوئی بھی کوشش محبت سے بندھے رشتوں میں بے رخی کی گانٹھ باندھ دے گی؟ مائدہ میری پھپھو کی بیٹی ہے اور مائدہ سے جڑا رشتہ توڑا تو کتنے ہی رشتے بکھر جائیں گے، بہن بھائی جدا ہو جائیں گے اور میری بہن... اس کا رشتہ ٹوٹ جائے گا وہ راحم سے بہت محبت کرتی ہے اور میری وجہ سے وہ کیوں جدائی کا درد سہے؟ میں اپنوں کو دکھ نہیں دے سکتا۔" اس نے بے بسی سے اسے خود سے دور کیا تھا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا تھا۔

"آپ کو سب کی پرواہ ہے، پرواہ نہیں ہے تو صرف میری، کسی کو دکھ نہیں دینا چاہتے اور میری پوری

حیات دکھوں کے حوالے کر رہے ہیں، سب کو جدا ہونے سے بچا رہے

ہیں اور مجھے جدائی کا پروانہ دے رہے ہیں، یہی ہے آپ کی محبت۔" وہ اس سے برگشتہ ہو رہی تھی۔

"اتنے لوگوں کی زندگی برباد ہونے سے بہتر ہے کہ ہم دونوں کے دل اجڑ جائیں، زندہ رہنے کیلئے سانسوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم بھی جی لیں گے، ابھی تم جذباتی ہو کر سوچ رہی ہو، ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچو گی تو میرا فیصلہ اتنا برا نہیں لگے گا۔" اسے دیکھے بغیر اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی تھی اور ہلکی رفتار سے اس نے گاڑی بیک کی تھی اور نارمل رفتار سے گاڑی یسریٰ کے گھر کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

"میں جذباتی ہو کر سوچ رہی ہوں، تو ایسا ہی ہے اور میری جذباتیت ابھی آپ نے دیکھی نہیں ہے اسجد! اب بتاؤں گی کہ میری جذباتیت اور شدت پسندی کی حد کیا ہے، آپ کسی سے بھی شادی کریں، مگر میں ایسا نہیں کروں گی۔"

"پاگل مت بنو یسریٰ! تمہیں میری قسم ہے، خدارا! خود کو نقصان مت

پہنچانا۔‘‘

’’آپ اپنی راہیں الگ کر چکے ہیں، اپنے لئے جیون ساتھی بھی منتخب کر چکے ہیں تو میری فکر اب کم از کم آپ کو نہیں کرنی چاہیئے، میں جیوں یا مروں آپ کی بلا سے۔‘‘ وہ روتے ہوئے اس کی گاڑی سے اتر گئی تھی اور وہ اسے روک بھی نہیں سکا تھا، یسریٰ نے بہت تیز آواز کے ساتھ دروازہ بند کیا تھا، وہ اس کے گلی میں جانے کا منتظر تھا، مگر وہ کچھ دور جا کر اسٹاپ پر کھڑی ہو گئی تھی اور وہ پریشانی سے اس تک آیا تھا۔

’’یسریٰ! گھر جاؤ، یہ جگہ کافی سنسان ہے۔‘‘ دوپہر کا وقت تھا، اسٹاپ پر بھی کوئی نہیں تھا، گاڑیاں بھی بڑی تیزی سے اکا دکا ہی گزر رہی تھیں۔

’’آپ جائیے۔‘‘ اس کی آواز مستقل رونے سے کافی بھاری ہو گئی تھی۔

’’میں چلا جاؤں گا، لیکن پہلے تم جاؤ، میں یہ اطمینان کئے بغیر نہیں جاؤں گا کہ تم خیریت سے اپنے گھر پہنچ گئی ہو۔‘‘ وہ قطعیت سے بولا تھا۔

''میں پہلے کیوں جاؤں؟ آپ جاؤ، میں آپ کو نہیں چھوڑ رہی، چھوڑ آپ رہے ہیں، اس لئے میں آپ کو جاتے ہوئے دیکھنا چاہتی ہوں۔'' وہ جذباتی لہجے میں بولی تھی۔

''بے وقوفی کی باتیں مت کرو۔'' وہ قدرے چڑ سا گیا تھا۔

''پلیز اسجد! مجھے جانے کو مت کہیں، پر امس... آپ کی گاڑی نگاہوں سے جیسے ہی اوجھل ہوگی میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔'' وہ لجاجت سے بولی تھی۔

''لیکن''...

''لیکن، ویکن کچھ نہیں، آپ چلے جائیں، میں یہ اطمینان کر لینا چاہتی ہوں کہ آپ مجھے چھوڑ کر چلے گئے ہیں، آپ سے پہلے میں گئی تو میری آنکھوں میں انتظار بس جائے گا، دل خوش فہمی پال لے گا کہ شاید آپ لوٹ کر آ جاؤ اور آپ نے تو کہا ہے ہم زندگی میں آگے بڑھ جائیں اور اب خود ہی مجھے انتظار سونپنا چاہتے ہیں، کیوں آپ میری زندگی کو مذاق

بنا دینا چاہتے ہیں؟ایک طرف تو کہتے ہیں میں آپ کو بھلا دوں اور دوسری طرف مجھے الوداع کہنے نہیں دیتے، جائیے اسجد! چلے جائیے ،ہمیشہ کیلئے مجھے چھوڑ کر بہت دور چلے جائیں۔''اس نے اس کے بازو پر دائیں ہتھیلی رکھ کر دھکا سا دیا تھا اور وہ اسے دیکھتا گاڑی میں آ بیٹھا تھا ۔اسٹیئرنگ پر سر رکھ کر اس نے اب تک رو کے ہوئے آنسو بہائے تھے اور جیسے ہی یہ خیال آیا تھا کہ وہ اس کے جانے کی منتظر ہے اس نے ایک جھٹکے سے گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور آنکھوں پر آنسوؤں کی دھند سی تھی اور اس نے آگے پیچھے بھی نہیں دیکھا تھا،اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ یسریٰ سائیڈ سے نکل کر سڑک کے بیچ آ کھڑی ہوئی ہے اور جیسے ہی اس نے اندھا دھند گاڑی آگے بڑھائی تھی وہ یسریٰ کو دور اچھالتی کافی آگے بڑھ گئی تھی' جیسے ہی اس کے حواس بیدار ہوئے تھے،اس نے گاڑی کو بریک لگائے تھے۔تیزی سے ڈرائیونگ ڈور کھولتا ہوا وہ باہر نکلا تھا اور بھاگتا ہوا اس تک پہنچا تھا۔

''یسریٰ! یہ کیا کیا تم نے، پاگل لڑکی!'' اس کے سر سے خون نکل رہا تھا اور وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتے ہوئے اس کا سر اپنے زانوں پر رکھے بے تابی سے بولا تھا۔

''آئی لو یو اسجد!'' آنکھیں بند ہونے سے پہلے وہ اتنا ہی بولی تھی اور وہ اسے اٹھائے تقریباً بھاگتے ہوئے گاڑی تک پہنچا تھا۔ اسے بیک سیٹ پر احتیاط سے لٹایا تھا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی اور وہ بڑی ریش ڈرائیونگ کرتا اسے ہسپتال لے آیا تھا، مگر ڈاکٹرز نے پولیس کیس کہہ کر علاج کرنے سے انکار کر دیا تھا، اسے فوراً ہی ارحم کا خیال آیا تھا تو وہ ارحم کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''ارحم! میں اسجد بات کر رہا ہوں۔''

''اسجد! سب خیریت تو ہے، تم بہت پریشان لگ رہے ہو؟''

''ارحم! مجھے تمہاری ہیلپ کی ضرورت ہے۔''

''بات کیا ہے؟''

''ایک لڑکی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔''

''تم پریشان نہ ہو، میں آ رہا ہوں۔''

''اوکے، ارحم! بٹ تم ڈاکٹر سے بات کرلو، تاکہ وہ کم از کم لڑکی کا علاج تو شروع کریں، اگر اس کی جان چلی گئی تو''... یہ تصور ہی اسے ہولا گیا تھا۔

''یو ڈونٹ وری اسجد! کچھ نہیں ہوگا۔'' ارحم نے ڈاکٹر سے بات کر کے لائن کٹ کردی تھی اور اسجد ICU کے باہر کھڑا اس کی زندگی کی دعا کر رہا تھا جو اس کی محبت میں جان قربان کرنے چلی تھی۔

''صرف ایک دفعہ ہوش میں آ جاؤ یسریٰ! تمہاری خاطر میں ساری دنیا سے لڑ جاؤں گا، تمہیں کچھ ہو گیا

تو شاید میں بھی مر جاؤں۔'' وہ ICU کے باہر کھڑا اندر مشینوں میں جکڑے وجود پر نگاہ جمائے خود سے بولا تھا اور جبھی کسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا تھا، اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہ ارحم تھا۔

"ارحم پلیز! اس وقت کوئی سوال مت کرو، میں کچھ نہیں بتا پاؤں گا۔"

اس نے ایکسیڈنٹ کی تفصیل جاننی چاہی تھی تب وہ بولا تھا۔

"ریلیکس اسجد! پریشان نہ ہو، اس لڑکی کی حالت کیسی ہے؟ کیا وہ بہت زیادہ انجرڈ ہے؟" اس کی پریشان صورت دیکھ کر پوچھا تھا۔

"اس کا سر اور بیک بہت بری طرح متاثر ہوئے ہیں، اس کی ریڑھ کی ہڈی ڈیمج ہوگئی ہے، شاید ہوسکتا ہے... اللہ نہ کرے۔" وہ اسے کچھ بتا نہیں سکا تھا جبکہ وہ ازحد متحیر ہوگیا تھا، اسجد کا بری طرح کانپتا ہوا لہجہ، آنکھوں میں مچلتے آنسو، چہرے پر لکھے دکھ ارحم کے ذہن میں کئی سوال پیدا کر گئے تھے۔

"کیا اسجد! اس لڑکی کو جانتا ہے؟ اور اسی لئے وہ اس کیلئے اتنا متفکر ہے۔" اسے خیال آیا تھا جسے وہ زبان پر بھی لے آیا تھا۔

"اسجد! کیا تم اس لڑکی کو جانتے ہو؟"

"ارحم! اس کی حالت کا ذمہ دار صرف میں ہوں، میری وجہ سے وہ زندگی

اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اب وہ شاید کبھی چل نہ سکے اور تم"... وہ خود کو چاہ کر بھی سنبھال نہیں پا رہا تھا۔

"حوصلہ رکھو اسجد! اس لڑکی کو انشاءاللہ کچھ نہیں ہوگا اور یہ بتاؤ تم نے اس لڑکی کے گھر والوں سے رابطہ کیا؟"

"نہیں، کیونکہ ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس سے اس کے گھر والوں کا پتہ چلتا۔" اسی وقت ICU کا دروازہ کھلا تھا اور وہ دونوں ڈاکٹر تک چلے آئے تھے۔

"ابھی کچھ نہیں کہہ سکتے، مریض کو انڈر آبزرویشن رکھا گیا ہے، ۲۴ گھنٹوں میں ہوش آ گیا تو ٹھیک ورنہ ہم کچھ نہیں کر سکتے، بس آپ دعا کریں۔"

"اسجد! تم گھر چلے جاؤ، مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک"...

"میں ٹھیک ہوں۔"

"یہ حادثہ ہوا کس جگہ پر تھا، تا کہ لڑکی کے گھر والوں کو کم از کم انفارم کر

دیں، وہ ضرور پریشان ہو رہے ہوں گے۔" اس نے جگہ بتا دی تھی کیونکہ گھر کا ایڈریس تو خود اسے بھی معلوم نہیں تھا، ارحم نے کچھ سوچتے ہوئے کسی کو فون ملایا تھا اور اس کے آنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔

☆☆☆

"نوید! میرا خیال ہے ہمیں مہوش کو ہاں کہہ دینی چاہیے۔"

"لیکن راشدہ! اتنے کم وقت میں ساری تیاریاں کیسے ہوں گی؟"

"آپا بیگم! مجھے لگتا ہے زرمین بیٹی کی بھی رائے پوچھ لینی چاہیے، آناً فاناً رشتہ طے ہو گیا اور اب شادی۔"

"ہمیں زرمین پر پورا اعتماد ہے، ہماری بیٹی کبھی ہماری بات نہیں ٹالے گی اور ہم اس کیلئے کبھی کوئی غلط فیصلہ نہیں کریں گے۔" کسی کام سے وہاں آتی زرمین آواز پر ٹھٹھک کر وہیں رک گئی تھی۔

"اور ہم نے فضیل کا رشتہ بہت سوچ سمجھ کر منظور کیا ہے، ہماری بیٹی کیلئے وہ ایک آئیڈیل شخص ہے اور زرمین اس کے ساتھ بہت خوش رہیں

گی۔"زرمین جو اس قصے کو لے کر پریشان تھی، جس وقت اسے راشدہ نے بتایا تھا کہ مہوش اس کا ہاتھ فضیل کیلئے مانگنے آ رہی ہیں اور ان کو مثبت جواب ہی دیا جائے گا تو اس کے سارے خواب چکنا چور ہو گئے تھے، وہ ماں سے کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں سکی اور اس کی سونی کلائیاں بھاری کنگنوں سے سج گئیں اور آج باپ کا مان بھرا لہجہ، وہ اپنے آنسو صاف کرتی وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

"آپ دیکھ لیں راشدہ! اگر آپ اتنی جلدی سب کچھ مینج کر سکتی ہیں تو مہوش کو جو وہ کہیں تاریخ دے دیں، لیکن کسی چیز کی کمی نہیں ہونی چاہیے ،ہم اپنی بیٹی کو وہ سب دیں گے جو اس کا حق ہے۔"

"لیکن ان لوگوں نے جہیز لینے سے سختی سے انکار کر دیا ہے۔"

"ٹھیک ہے، سوچ کر آپ مجھے بتا دیجئے گا، فریدہ کو بھی بلا لیں اور آپ خواتین مل کر فیصلہ کر لیں، پھر اسی کے تحت مجھے جو کرنا ہو گا وہ کر لوں گا اور آپ پہلے زرمین سے ضرور پوچھ لیں، اگر وہ وقت چاہیں تو ان کی

خواہش کا احترام کیا جائے گا۔" انہوں نے فیصلہ کی ڈوران خواتین کے ہاتھ میں تھما دی تھی۔

"حنین کہاں ہیں، انہوں نے کھانا کھایا کہ نہیں؟"

"نہیں، کمرہ بند کیے پڑی ہے اور اسی وقت باہر نکلے گی جب اسے آفس جانے کی اجازت ملے گی، نہ جانے کہاں سے خناس سما گیا ہے اس کے دماغ میں۔" ساجدہ تو اسے سمجھا سمجھا کر تھک گئی تھیں، مگر وہ اپنے فیصلے سے ایک انچ ہٹنے کو تیار نہ تھی اور وہ اسے سخت سست سنا تیں اس کے کمرے سے نکل آئی تھیں اور وہ جب سے ہی لاک لگائے بیٹھی تھی۔

"اسجد کہاں ہے، دوپہر میں گھر آیا تھا؟"

"نہیں، وہ صبح سے نکلا تو ابھی تک نہیں آیا، کیا آفس نہیں گیا؟"

"آفس آیا تو تھا مگر, 121 بجے کے قریب وہاں سے نکل گیا تھا جبکہ 2 بجے اس کی ایک اہم میٹنگ بھی تھی، میں نے اس سے رابطہ یہ سوچ کر نہیں کیا کہ وہ اتنا غیر ذمہ دار نہیں ہے کچھ سوچ کر ہی میٹنگ کینسل کی

ہو گی اور اب تو 8 بجنے والے ہیں، اب تک تو اسے آجانا چاہئے تھا۔"
وہ اسجد کا نمبر ملانے لگے تھے، لائن کاٹ دی گئی تھی اور تقریباً 10 منٹ
بعد وہ گھر میں داخل ہوا تھا اور سلامتی بھیجتا تھکے تھکے انداز میں وہ
صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

"اسجد! سب خیریت تو ہے بیٹا؟"

"جی امی! بس کچھ تھک گیا ہوں، یہ زرمین کہاں ہے؟ اس سے کہہ کر
ایک کپ چائے بنوا دیں، سر میں بہت درد ہو رہا ہے۔" ارحم نے اس
سے کہا تھا کہ وہ خود سب کچھ ہینڈل کر لے گا؟ اس لئے وہ گھر میں کچھ نہ
بتائے، ایک گھنٹہ قبل ہی اسے ہوش آ گیا تھا، مگر ڈاکٹرز ابھی بھی پر امید
نہیں تھے، ارحم نے اپنے اثر و رسوخ استعمال کر کے یسریٰ کے گھر
والوں کا پتہ چلا لیا تھا، کیونکہ ایکچوئیل جگہ تو اسجد اسے بتا ہی چکا تھا اس
لئے زیادہ پریشانی نہیں ہوئی تھی، یسریٰ کی خالہ اور ان کا بیٹا وہاں آ تو
گئے تھے مگر ان کے چہروں سے پریشانی نہیں ٹپک رہی تھی، ان کے

چہروں سے بلا ٹلنے کی امید ٹپک رہی تھی اور خالہ نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ وہ بہت غریب ہیں کسی سرکاری ہسپتال میں علاج نہیں کرواسکتیں کجا شہر کے مہنگے ترین پرائیویٹ ہسپتال میں، اسجد نے علاج کروانے کی ذمہ داری اٹھالی تھی اوران کے ہاتھ پر 10 ہزار رکھ کروہ ارحم کے کہنے پر ہسپتال سے نکل آیا تھا۔ اسجد کی اتنی مہربانیوں کوارحم سمجھ نہیں پارہا تھا، ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ یہ سب خوف کے پیش نظر کر رہا ہے، اس کا پژمردہ چہرہ ارحم کو بہت کچھ سمجھا رہا تھا، مگر اس وقت اس نے اسجد سے کچھ بھی پوچھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے بیٹا؟"

"چچی! ٹھیک ہوں میں، بس کچھ تھکن"...

"بات کیا ہے اسجد! تم نے میٹنگ بھی کینسل کردی اوراس وقت آ کہاں سے رہے ہو؟"

"ابو! ایک دوست کی طرف نکل گیا تھا، اس کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی

اور صبح جو کچھ ہوا گھر میں اس کے بعد میٹنگ اٹینڈ کرنا نہیں چاہ رہا تھا،،،

کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا اتنے ماہ کی محنت پل بھر میں ضائع ہو جائے۔"

وہ کچھ تلخ ہوا تھا۔"تم صبح ناشتہ کیے بغیر ہی چلے گئے؟ اس کا مجھے بہت افسوس ہے بیٹا!" ساجدہ ایک بار پھر شرمندگی کے حصار میں لپٹ سی گئی تھیں۔

"پلیز چچی! میں نے آفس میں کھالیا تھا۔" اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا اور کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کہتے

کہتے رک کر اس نے جھوٹ کا سہارا لیا تھا؟ وگرنہ اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا تھا۔

"اسجد! صبح جو کچھ ہوا میں نہیں چاہتا کہ وہ پھر دوبارہ دہرایا جائے؟ حنین کو میں نے اجازت دی ہے اور اس معاملے میں تمہیں بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"وہی تو میں حیران ہوں کہ آپ نے اسے اجازت دے کیسے دی؟"

"اب تم مجھے بتاؤ گے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے اور کیا نہیں؟" اس کا تلخ لہجہ انہیں کچھ غصہ دلا گیا تھا۔

"میں نے یہ نہیں کہا ابو! لیکن یہ بات مجھے پسند نہیں ہے، اس لئے میں نہیں چاہتا کہ حنین آفس جوائن کرے، اگر وہ ایسا کرے گی تو میں آفس نہیں آؤں گا اور یہ میرا اٹل فیصلہ ہے۔" وہ کہہ کر رکا نہیں تھا اور حنین جو باہر کھڑی اندر ہونے والی تکرار سن رہی تھی اسے بے تحاشہ غصہ آ گیا تھا اور وہ اندر جانے کی بجائے اس کے روم میں چلی آئی تھی، اسجد اپنے سیل فون سے ارحم کا نمبر ڈائل کر رہا تھا مگر اسے دیکھ کر رک گیا تھا۔

"تم میرے کمرے میں کیا کر رہی ہو؟"

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی، میرے کمرے سے اسی وقت چلی جاؤ۔"

'لیکن میں آپ کے روم سے بات کئے بغیر نہیں جاؤں گی۔" اس کے

غصے کو وہ کسی خاطر میں نہ لاتے ہوئے آگے بڑھ آئی تھی۔

"میں کم از کم اس وقت تم سے کوئی بھی بات کرنا نہیں چاہتا حنین! میں پہلے ہی ڈسٹرب ہوں، تم مجھے مزید پریشان نہ کرو، جو بات کرنی ہو صبح کر لینا۔"

"مجھے بات ابھی اس لئے کرنی ہے تاکہ آپ کو بتا دوں کہ صبح میں آفس جوائن کر رہی ہوں صبح کوئی بدمزگی نہ ہو اس لئے ابھی سے بتا دیا ہے۔"

"تمہاری سمجھ میں ایک دفعہ کی بات نہیں آتی، کہہ چکا ہوں کہ تم آفس نہیں آؤ گی تو بار بار اس ذکر کو نکالنے کا مقصد؟"

اسجد کو یکدم اشتعال نے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا، اس نے غصہ میں آ کر اس کا بازو سختی سے دبوچا تھا مگر دوسرے ہی لمحے اپنی بات کے اختتام پر ایک جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑ بھی دیا تھا۔

"جب مجھے تایا ابو خود اجازت دے چکے ہیں تو آپ کیوں اس معاملے میں فضول میں بولے جا رہے ہیں؟" وہ اس کے غصے سے خائف تو

ہوئی تھی مگر بولے بنا بھی نہیں رہی تھی۔

"کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ تم آفس آؤ۔" وہ دھاڑا تھا۔

"آپ مجھے روک نہیں سکتے، میں اپنی مرضی کی آپ مختار ہوں، آپ مجھ پر اپنے فیصلے زبردستی ٹھونس نہیں سکتے۔" وہ دوبدو بول رہی تھی، یسریٰ کو لے کر اس کا ذہن پہلے ہی منتشر تھا، حنین کا نڈر انداز اس کے ذہن پر ہتھوڑے سے برسا رہا تھا۔

"اور تم میرے فیصلے کو بدل نہیں سکتیں، اب میرے کمرے سے دفع ہو جاؤ، مجھے تم سے کوئی بحث نہیں کرنی۔"

"آپ منع کرتے رہیں، میں کل آپ کو آفس آ کر دکھاؤں گی۔" اتنی بے عزتی پر تو وہ چراغ پا ہو گئی تھی اس لئے بہت تیز لہجے میں بولی تھی۔

"تم آ کر تو دکھاؤ، ٹانگیں توڑ دوں گا میں تمہاری۔"

"آپ... آپ ہوتے کون ہیں میری ٹانگیں توڑنے والے؟ باپ مر

گیا ہے لیکن میری ماں ابھی زندہ ہے، لاوارث نہیں ہوں میں۔" وہ

اب رو رہی تھی۔

"تم پلیز! اس وقت یہاں سے چلی جاؤ، میں ابو اور چچی سے بات کر

لوں گا۔"

"جو بات کرنی ہے مجھ سے کریں، زندگی میری ہے فیصلہ بھی میرا ہی ہوگا

اور آپ مجھے کچھ بھی کرنے سے

روک نہیں سکتے اور آپ آفس جانے سے مجھے کیوں روک رہے ہیں؟

جتنا حق آپ کا ہے اس گھر اور بزنس پر اتنا ہی میرا بھی ہے، اس لئے

آپ"...

"چٹاخ... بہت بڑی ہوگئی ہو ناں جو حق کی بات کرو گی، جائیداد میں

حصہ مانگو گی۔" وہ اس کی بات پر اشتعال پر قابو نہیں رکھ پایا تھا اور اس پر

ہاتھ اٹھا لیا تھا، وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے گال پر ہاتھ رکھے اسے

دیکھ رہی تھی۔ یکدم بہت روتے ہوئے وہاں سے نکلنے لگی تھی مگر اس نے

بازو پکڑ لیا تھا۔

"حنین! آئی ایم سوری، میں تم پر ہاتھ نہیں اٹھانا"... وہ جھٹکے سے بازو چھڑاتی وہاں سے بھاگی تھی۔

"اوہ شٹ!" اسے افسوس ہو رہا تھا، مگر بجتے ہوئے موبائل نے بہت جلد اسے اس کیفیت سے نکال لیا تھا۔

"ہاں بولو ارحم!

"یو ڈونٹ وری اسجد! سب ٹھیک ہے، وہ لڑکی اب خطرے سے باہر ہے۔"

"اوہ تھینک گاڈ!" اس نے ایک اطمینان سا محسوس کیا تھا۔

"ڈاکٹرز کیا کہہ رہے ہیں، کب تک اسے ڈسچارج کر دیں گے؟"

"کچھ ہفتے یا ماہ بھی لگ سکتے ہیں، اس کی ریڑھ کی ہڈی بہت بری طرح متاثر ہوئی ہے، اسے مکمل بیڈ ریسٹ کرنا ہوگا اور تقریباً ہفتہ تو لگے لگا پھر ہی ڈاکٹر کچھ بتا سکیں گے کہ وہ چل سکے گی یا نہیں؟"

''لڑکی کے گھر والے۔۔۔وہ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''ان کی بے حسی تو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ ہی چکے ہو،لڑکی کے پیرنٹس تو ہیں نہیں اور وہ جو اس کی خالہ ہیں،ان کو اس کے جینے اور مرنے سے فرق نہیں پڑتا،وہ کہہ رہی تھیں کہ ہم لوگ علاج کا خرچہ اٹھا سکتے ہیں تو ٹھیک،ورنہ وہ اسے کسی سرکاری ہسپتال''۔۔۔

''ہرگز نہیں ارحم!سارا خرچہ میں اٹھاؤں گا،اس کی حالت کا میں ذمہ دار ہوں،میری وجہ سے وہ موت کے منہ سے نکلی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ وہ میری وجہ سے اپاہج ہو جائے۔''

''اسجد!وہ سب ٹھیک ہے ہمارا انسانی فرض بھی ہے کہ ہم اس لڑکی کی مدد کریں،مگر ڈاکٹرز کے مطابق وہ ان کے ساتھ کوآپریٹ نہیں کر رہی ،جب سے ہوش میں آئی ہے یہی کہے جا رہی ہے کہ اسے زندہ نہیں رہنا ،وہ مر جانا چاہتی ہے،ان باتوں کا کیا مطلب نکلتا ہے،ایکسیڈنٹ میں تمہاری غلطی نہیں ہے بلکہ وہ جان کر تمہاری گاڑی کے سامنے آئی،آئی

ایم رائٹ؟"اس کا انداز خاص تفتیشی تھا۔

"بات کچھ اسی طرح کی ہے ارحم! وہ لڑکی اچانک ہی میری گاڑی کے سامنے آ گئی، میں بریک بھی نہیں لگا سکا، غلطی اس لڑکی کی تھی ارحم! مگر کہیں نہ کہیں میں ذمہ دار ہوں، اسے کچھ ہو گیا تو شاید میں زندگی بھر خود کو معاف نہ کر سکوں، ضمیر کی مار مجھے جینے نہیں دے گی اور میں اسی گلٹ سے بچنے کیلئے ہر طرح سے اس لڑکی کے ساتھ کوآپریٹ کرنا چاہتا ہوں۔"اسجد نے اپنی محبت بھری فکر کو انسانیت کا روپ دے دیا تھا، وہ چاہتا تو اس وقت ظاہر کر دیتا، مگر اس نے ایسا جان کر نہیں کیا، کیونکہ وہ مائدہ کا بھائی تھا اور اسجد پہلے نوید عالم سے بات کرنا چاہتا تھا، کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے رشتوں میں دوریاں آ جائیں، ارحم جو کچھ شکوک وشبہات میں ڈوب رہا تھا ایک دم ہی مطمئن ہو گیا تھا۔

"تم بالکل فکر مت کرو اسجد! میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

"تھینکس ارحم! آج تم نہ ہوتے تو میں یہ سب بالکل مینج نہیں کر پاتا،"

میں تو بہت خوفزدہ ہو گیا تھا، تمہارے ساتھ نے مجھے سہارا دیا۔"

"یار! اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں، یہ بتاؤ گھر میں کچھ بتایا ہے یا نہیں؟"

"نہیں، گھر میں کچھ کسی کو نہیں بتایا، تمہیں تو پتہ ہے امی ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جاتی ہیں،

معاملہ تھوڑا ٹھنڈا پڑ جائے تب ابو سے ذکر کروں گا، ابھی رکھتا ہوں، بعد میں بات کروں گا، شاید مجھے ابو بلا رہے ہیں۔" نوید عالم کی آواز آئی تھی اور وہ لائن کاٹتا موبائل بیڈ پر اچھالتا روم سے نکل آیا تھا۔

"اسجد! یہ حنین کیا کہہ رہی ہے؟ تم نے اس پر ہاتھ اٹھایا ہے؟" نوید عالم کو اس نے اتنے غصے میں بہت ہی کم دیکھا تھا۔

"جی ابو! لیکن اس نے بات ہی ایسی کی تھی۔"

"تم نے کس حق سے اس پر ہاتھ اٹھایا، تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی؟"

"آرام سے بات کر لیں نوید!"

"آپ چپ رہیں، تمہیں کیا لگتا ہے کہ تم بہن پر ہاتھ اٹھاؤ گے اور میں تم سے جواب طلبی بھی نہیں کروں گا؟" وہ بیوی کو ڈپٹتے ہوئے اس کی جانب غصے سے گھومے تھے۔

"ابو! یہ مجھ سے بحث کر رہی"...

"بحث کر رہی تھی تو تم نے ہاتھ اٹھا لیا، یہ بیٹی ہے میری اور میں نے خود کبھی اپنی بیٹیوں پر ہاتھ نہیں اٹھایا' میں نے تو کبھی ان سے اونچی آواز میں بات بھی نہیں کی اور تم اس حد تک چلے گئے، آخر کیا سوچ کر تم نے اتنی گری ہوئی حرکت کی؟""" وہ بیٹے کو خونخوار نظروں سے گھورتے تیز لہجے میں جواب طلب کر رہے تھے۔

"تایا ابو! انہوں نے مجھ سے بہت بدتمیزی بھی کی، مجھے کمرے سے دفع ہو جانے کو کہا، مجھے تھپڑ مارا اور مجھے بازو سے پکڑ کر کمرے سے نکال دیا۔" وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

"میں نے جو کیا وہ تمہیں یاد ہے، اپنا بھول گئیں، مجھ سے کس لہجے میں

بات کر رہی تھیں؟"

"اس نے اگر تم سے بدتمیزی کی بھی تھی تو تمہیں اسے تھپڑ نہیں مارنا

چاہئے تھا۔"

"امی! مانتا ہوں مجھ سے غلطی ہوئی، مجھے حنین پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہئے تھا

،مگر جب میں نے اس سے

کہا کہ میں ڈسٹرب ہوں، ابھی تم سے بات نہیں کر سکتا تو اسے خاموشی

سے آجانا چاہئے تھا، مگر اس نے بات کو جان بوجھ کر بڑھایا۔"

"تم ڈسٹرب تو اب بھی ہو اور میں بھی بحث کر رہا ہوں تم سے، اٹھاؤ مجھ

پر بھی ہاتھ، مارو مجھے بھی، بہن کو مار سکتے ہو تو باپ کو کیوں نہیں؟"

"ابو پلیز! اس طرح تو نہ کہیں، میں حنین پر بھی کب ہاتھ اٹھانا چاہتا تھا

،مگر اس کی بات پر خود پر قابو نہیں رکھ سکا، میں نے اسے آفس آنے کیلئے

منع کیا تو یہ اپنے حق کی بات کرنے لگی، میں کب کہتا ہوں کہ اس گھر اور

بزنس پر اس کا کوئی حق نہیں ہے، حق ہے اس کا اور جو اس کا حق ہے وہ ہم

اس کو دیں گے، مگر یہ اس طرح کی بات کرے گی میں نے کبھی خواب
میں بھی نہیں سوچا تھا'' مجھے تو ایک پل کو لگا کہ ہم شاید غاصب ہیں اور
اس کے حق پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں، یہ بار بار اپنے حق کی بات کر کے
ہم پر ثابت کیا کرنا چاہتی ہے؟ کہ چچا جان کی موت کے بعد ہم نے
اس کے حقوق غصب کر لئے ہیں؟'' وہ کچھ غصے اور کچھ دکھ سے کہہ رہا تھا
اور وہ سب ساکت سے سن رہے تھے، اسی طرح کی بکواس اس نے صبح
بھی تو کی تھی۔ جبکہ اصل بات سے واقف ہوتی تو کبھی حق کی بات ہی نہ
کرتی کہ اس کا تو کچھ تھا ہی نہیں کیونکہ اس کے والد جاوید عالم
پرائیویٹ جاب کرتے تھے، بزنس نوید عالم نے اکیلے ہی شروع کیا تھا
،محنت اور انویسٹمنٹ سب کچھ ان ہی کا تھا اس لحاظ سے بزنس پر اس کا
حق بنتا ہی نہ تھا لیکن نوید عالم نے اسے بیٹی کا درجہ دیا تھا تو اس کا ہر چیز
میں برابر کا حصہ اس کا حق سمجھتے تھے کہ وہ دولت پر نہیں رشتوں کے لیے
جاں نثار کر دینے والوں میں سے تھے۔

''میں نے تو اسے ہمیشہ زرمین اور شازمین کی طرح سمجھا اور جو بات مجھے شازمین کیلیے پسند نہیں تھی میں اس کیلیے کیسے پسند کر سکتا ہوں؟ مگر اسے شک ہے کہ میں اس کے حق پر قابض ہونا چاہتا ہوں، تو ٹھیک ہے، یہ آفس جوائن کر لے، ویسے بھی میرا اس پر کون سا حق ہے، بہن ہی نہیں ہے میری، اس پر ہاتھ اٹھایا اس کیلیے شرمندہ ہوں، اسی وقت اس سے معافی بھی مانگنا چاہتا تھا اسی لئے حق سے بازو پکڑ کر اسے روکنا چاہا تھا، مگر یہ کمرے سے کچھ بھی سنے بغیر نکل آئی اور کہہ رہی ہے کہ میں نے اسے دھکے دے کر کمرے سے نکال دیا، مانتا ہوں میں نے اسے کمرے سے دفع ہو جانے کو کہا تھا، مگر جو کچھ یہ کہہ رہی ہے ایسا میں نے کچھ نہیں کیا، یہ مجھے کچھ سمجھے نہ سمجھے، مگر یہ مجھے شازمین کی ہی طرح عزیز ہے، یہ چاہے مجھے فقط بھائی بولتی ہے، میں نے اسے ہمیشہ چھوٹی بہن ہی سمجھا ہے اور بڑا بھائی ہونے کے ناتے ہی میں نے مداخلت کی تھی جو اسے پسند نہیں آئی، تو آئندہ کچھ نہیں کہوں گا۔'' وہ اپنی بات مکمل کر کے وہاں

سے نکلتا چلا گیا تھا۔

"جس کا جو دل چاہے مجھے کہہ دے، میرے ساتھ ہر طرح کا برا سلوک کر لے اور پھر رشتوں کی دہائی دینے بیٹھ جائے۔" "چپ کر جاؤ حنین! کیوں ایسی باتیں کر کے گھر کا سکون برباد کرنے پر تلی ہو؟"

"آپ کو تو میں ہی غلط لگتی ہوں ممی! میرے ساتھ ہونے والا برا سلوک آپ کو نظر نہیں آتا؟" پتہ نہیں کہاں سے اس کے اندر اتنا غبار جمع ہو گیا تھا، وہ سب اس کی شکل دیکھ رہے تھے، جس کے منہ سے نکلنے سے پہلے اس کی ہر خواہش پوری کی گئی تھی، وہ کون سے برے سلوک کی بات کر رہی تھی؟ یہ وہ سمجھ نہیں سکے تھے اور وہ دھم دھم کرتی ان سب کو متحیر چھوڑ کر وہاں سے ہٹ گئی تھی۔

" کون ہو تم لوگ؟ ہٹو میرے راستے سے۔" وہ غصے میں پھپھو کے گھر جانے کے ارادے سے گھر سے نکل آئی تھی۔ ان کے گھر سے اسٹاپ

واکنگ ڈسٹینس پر ہی تھا، وہاں تک پہنچنے میں اسے مشکل سے 3 سے 4 منٹ لگے ہوں گے، وہ اسٹاپ پر آ کر کھڑی ہی ہوئی تھی کہ اسٹاپ کی دوسری جانب کھڑے 2 لڑکے اسے اکیلے دیکھ کر اس کے دائیں بائیں آ کھڑے ہوئے تھے اور جیسے ہی اس نے وہاں سے ہٹنا چاہا تھا کہ ایک اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا اور ڈر کے مارے اس کی جان نکلنے لگی تھی۔

"کہاں جانا ہے؟ ہمیں بتاؤ، ہم چھوڑ آئیں گے۔" ایک نے اپنی خدمات پیش کی تھیں۔

"میں خود چلی جاؤں گی، راستہ دو۔"

"ایسے کیسے راستہ دے دیں میری جان!" دوسرے نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"اب تو تمہارے سارے راستے ہم تک ہی آتے ہیں۔"

"بکواس مت کرو اور ہاتھ چھوڑو میرا۔" وہ ہاتھ چھڑا لینے کو زور لگا رہی

نظر پڑتے ہی حنین کی جان میں جان آ گئی تھی۔

"ارحم بھیا!" اس لڑکے نے حنین کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور وہ بھاگ کر اس کے چوڑے سینے میں سما گئی تھی۔

"مجھے بچا لیں ارحم بھیا! یہ مجھے زبردستی اپنے ساتھ لے جا رہے تھے۔" وہ اس کے سینے سے لگی بلکتے ہوئے کہہ رہی تھی؟ اس نے بائیں ہاتھ سے اسے سہارا دیا تھا اور دائیں ہاتھ سے ریوالور نکال کر بھاگتے ہوئے نوجوانوں کا نشانہ بنایا تھا۔

"ہلنے کی کوشش بھی مت کرنا؟ ورنہ میں گولی چلا دوں گا۔ اس کی دھمکی کا کوئی اثر نہ ہوا تھا؟ اس نے ہوائی فائر کیا تھا اور ان دونوں نے جہاں تھے وہیں رک کر ہاتھ اوپر کر دیئے تھے؟ حوالدار نے آگے بڑھ کر ان دونوں کو ہتھکڑی لگا دی تھی۔

"کاشف! آپ ان دونوں کو حوالات میں لے جا کر بند کر دیں صبح

ڈیوٹی پر آنے کے بعد میں دیکھ لوں گا، اب آپ جاؤ، میں گھر خود چلا جاؤں گا۔" سپاہی اسے سلیوٹ کرتا جیپ کی جانب بڑھ گیا تھا، ارحم ڈیوٹی آف کر کے گھر کیلئے نکلا تھا کہ اسے خیال آیا تھا کہ وہ ماموں جان سے مل آئے اور اسی خیال سے وہ اس طرف نکل آیا تھا۔

"تم اتنی رات میں یہاں کیا کر رہی تھیں؟" وہ جیپ کے آگے بڑھتے ہی ساتھ کھڑی حنین سے مخاطب ہوا تھا، مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں حنین! کہ تم اتنی رات گئے اکیلی یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ دبے دبے انداز میں غرایا تھا، مگر وہ بس روئے جا رہی تھی، بولی اب بھی کچھ نہیں تھی، ارحم نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور آگے بڑھنے لگا تھا مگر اسے رُک جانا پڑا تھا، کیونکہ وہ وہاں سے ہلی بھی نہیں تھی۔

"اب کیا ہوا؟ چلو گھر"...

"میں گھر نہیں جاؤں گی۔"

"واٹ... !دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا، گھر کیوں نہیں جاؤ گی؟" وہ رک کر اسے دیکھنے لگا تھا۔

"مجھے پھپھو کے پاس جانا ہے۔"

"گھر پر کوئی بات ہوئی ہے؟"

"میں ابھی آپ کو کچھ نہیں بتا سکتی، مجھے اپنے گھر لے جائیں، مخاطب ہوا تھا، مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں حنین! کہ تم اتنی رات گئے اکیلی یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ دبے دبے انداز میں غرایا تھا، مگر وہ بس روئے جا رہی تھی، بولی اب بھی کچھ نہیں تھی، ارحم نے اس، میں تایا ابو کے گھر نہیں جاؤں گی، وہاں کسی کو مجھ سے محبت نہیں ہے، کسی کو میری ضرورت بھی نہیں ہے۔" لہجہ جذباتی اور شکوہ کناں تھا۔

"تم کیا بکواس کر رہی ہو؟ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔"

"سب کو یہی لگتا ہے کہ میں بکواس کر رہی ہوں، آپ مجھے پھپھو کے

پاس نہیں لے جا سکتے تو ٹھیک ہے، میں خود ہی چلی جاؤں گی۔''

''دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا اور کچھ نہیں، خود کیسے جاؤ گی، جیسے ابھی جا رہی تھیں ویسے؟'' وہ جاتی ہوئی حنین کا راستہ روکتے ہوئے نہایت طنز سے بولا تھا۔

''آپ کچھ بھی کہیں، مجھے اپنے گھر لے جا سکتے ہیں تو''...

''گھر پر کسی کو معلوم ہے یا تم بغیر بتائے گھر سے نکلی ہو؟''

''میں کسی کو کیوں بتاؤں، جب کسی کو میری پرواہ ہی نہیں ہے؟ ممی نے مجھ پر ہاتھ اٹھایا، تائی نے ڈانٹا اور تو اور اسجد بھائی... انہوں نے بھی مجھے تھپڑ مارا، اب میں کبھی اس گھر میں نہیں جاؤں گی، مجھے پھپھو کے پاس جانا ہے۔'' وہ بری طرح روتی ہوئی حنین کو محض دیکھ کر رہ گیا تھا۔

''او کے، تم رو نہیں، میں تمہیں گھر لے چلتا ہوں۔'' وہ ماموں کے گھر جانے کا ارادہ ملتوی کر گیا تھا۔

''گھر سے کب نکلی تھیں؟'' وہ یہ اندازہ لگانا چاہ رہا تھا کہ اس کی غیر

موجودگی کا ان لوگوں کو علم ہو گیا ہو گا یا نہیں؟

''بہت دیر ہو گئی ہو گی، میں نے تو سوچا تھا کہ رکشہ سے آپ کے گھر چلی جاؤں گی، اسی لئے یہاں اسٹاپ تک آئی تھی، مگر وہ دونوں نہ جانے کہاں سے آ گئے اور مجھ سے بدتمیزی کرنے لگے۔'' وہ روتے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔ جبھی کافی دیر بعد ایک آٹو وہاں سے گزرا تھا جسے ارحم نے ہاتھ دے دیا تھا۔

''حنین! چپ کر جاؤ، ہم گھر چل رہے ہیں۔'' ارحم نے بمشکل اشتعال کو قابو میں کرتے ہوئے اسے رکشے میں بیٹھنے کو کہا تھا۔

(باقی آئندہ)

☆☆☆

عماد صمدانی ایک لیجنڈری آرٹسٹ۔

علینہ ملک ۔کراچی۔

بلا شبہ اس بے مثال اور بے نظیر کائنات کو تخلیق کرنے والا سب سے عظیم تخلیق کار ،آرٹسٹ ہے کہ جس کا عظیم شاہکار یہ کائنات ہے، جو کہ ایک تماشا گاہ ہے اور اس کے تماشائی انسان ہیں، جنہیں رب العالمین نے عقل و بصیرت کی نعمت سے نوازا ہے۔ چنانچہ ہر انسان کے اندر ایک تخلیق کار چھپا ہوا ہوتا ہے، جو کبھی لکھاری، کبھی مصور ،کبھی شاعر اور کبھی فنکار کے روپ میں سامنے آتا ہے۔ معاشرے میں رونما ہونے واقعات اور حادثات انسانی ذہن پر جو اثرات مرتب کرتے ہیں اسکے ردعمل کا اظہار ایک فطری عمل ہوتا ہے

۔ چنانچہ کچھ لوگ الفاظ کو صفحہ قرطاس پر بکھیر کر لفظی تصویریں بناتے ہیں اور کائنات کی وسعتوں ،حقیقتوں ،واقعات اور حادثات کو بیان

کرتے ہیں، جبکہ کچھ رنگوں کا سہارا لیکرا پنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں، اور اپنے محسوسات کو کینوس پر بکھیر کرفن کی دنیا میں اپنا مقام بناتے ہیں۔

ایک مصور بہت حساس ہوتا ہے اور وہ اپنے گرد و پیش پائی جانے والی اچھائیوں، برائیوں، خوبیوں اور خامیوں کو اپنے کینوس پر رنگوں کی صورت میں بکھیرتا ہے۔عماد صمدانی کا شمار بھی انھیں خاص لوگوں میں ہوتا ہے جو بہت حساس دل رکھتے ہیں اور اپنے کینوس کو اپنے احساسات کا ترجمان بنا لیتے ہیں۔عماد صمدانی کا شمار ملک کے بہترین مصوروں میں ہوتا ہے اور اس کی وجہ ان کا خاص اسٹائل اور منفرد کام ہے جو انھیں دوسرے ہم عصروں سے ممتاز بناتا ہے۔عماد صمدانی نے ابتدائی تعلیم گوجرانوالہ اور لاہور سے حاصل کی، انہوں نے نیشنل کالج آف آرٹ سے چار سال تک فائن آرٹ میں

ڈپلومہ حاصل کیا، اور الحمراء آرٹ کونسل سے بھی تعلیم حاصل کی

۔آج سے ۴۵ برس پہلے اپنے کام کا آغاز کرنے والے عماد صمدانی

بنیادی طور پر ایک تخلیق کار ہیں، ان کا مشاہدہ معاشرے اور انسان

کے متعلق بہت گہرا ہے اور معاشرے کی کمزوریوں کو جس گہرائی

سے انہوں نے دیکھا ہے وہ عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے

۔انھیں اپنے کام سے عشق ہے، اور یہی عشق آتش بن کر رنگوں کی

صورت میں کینوس پر بکھرتا نظر آتا ہے۔ان کی پینٹنگز میں گہرائی

بھی ہے اور گیرائی بھی ہے۔ان کی تصویریں معاشرے کی بہت سی

خوبصورت اور تکلیف دہ احساسات کی نشاندہی کرتی ہیں۔عماد

صمدانی کے اندر موجود تجسس کا عنصر ان سے نت نئے تجربات کرواتا

ہے۔انھوں نے آرٹ میں پہلی بار ڈبل کینوس متعارف کروایا ہے

۔عماد صمدانی بنیادی طور روایات سے باغی ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ

ایک آرٹسٹ بہت حساس ہوتا ہے وہ کسی چیز کو چھو کر گزرنے کے بجا
ئے اس کی گہرائی میں اتر تا ہے، وہ جب کسی چیز کو دیکھتا ہے تو اس
کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتا ہے جس سے اس چیز کا جمالیاتی پہلو
کھل کر سامنے آتا ہے اور یہی جمالیاتی پہلو آرٹسٹ کو تخلیق کی جانب
مائل کرتا ہے۔عماد صمدانی کا کہنا ہے کہ ہر مصور اپنے مخصوص حالات
میں جنم لیتا ہے اور ان ہی حالات سے متاثر ہوتا ہے، گویا حالات
اور معاشرہ ہی اس کی تخلیقی کاوشوں کے لئے اسکول آف تھاٹ ہیں
کیونکہ ابتدائے آرٹ سے لیکر آج تک آرٹسٹ نے اپنے مخصوص
حالات میں مخصوص موضوعات کو مصور کیا ہے ۔اگر کوئی مصور
حالات سے سمجھوتہ کر لے تو وہ فنی اعتبار سے ساکت ہو جاتا ہے
،چنانچہ بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ موضوعات بھی بدلتے
رہتے ہیں اور ایک اچھے آرٹسٹ میں یہ خاص بات ہوتی ہے کہ وہ

بدلتے وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہیں۔عماد صمدانی کا کام بھی حالات اور معاشرے کے ساتھ ساتھ ہے اور ہر روز معاشرے کے بدلتے انداز ہی ان کی پینٹنگز کا موضوع اور اسکول آف تھاٹ ہیں ۔آج سے چالیس برس پہلے مصوری کا آغاز کرنے والے عماد صمدانی کی تصویروں کی نمائش اب تک تقریباً پاکستان کے ہر بڑے شہر میں ہو چکی ہیں ،جن میں سے ۳۱ سولو ایگزیبیشنز ہیں ۔اس کے علاوہ دبئ ،فرانس ،جرمنی ،ہالینڈ اور دوسرے کئی ملکوں میں بھی اپنی تصویروں کی نمائش کر وا چکے ہیں ۔ان کی تصویروں کا خاص موضوع انسانیت اور پاکستان کا ثقافتی ورثہ ہے ۔انہوں نے معاشرے کی کمزوریوں کو کینوس پر اس طرح اتارا ہے کہ ان پر حقیقت کا گمان ہوتا ہے ۔ان کی پینٹنگز خوبصورت اور مختلف ہوتی ہیں ،مختلف یوں کہ وہ نہ تو لینڈ اسکیپ ہیں نہ ہی تجریدی آرٹ سے

کوئی تعلق بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے بہت سے رنگوں کو ایک دوسرے میں مدغم کر کے کینوس کی سطح پر چسپاں کر دیا گیا ہو، مگر ان رنگوں کے اندر سے نقوش آہستہ آہستہ ابھرتے ہوئے انسانوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ان کی بعض تصویریں معاشرے کے بہت سے خوبصورت اور تکلیف دہ احساسات کی نشاندہی کرتی ہے ہر تصویر کے پس منظر میں ایک باقاعدہ روایت اور کہانی نظر آتی ہے ۔ان کی ہر نمائش میں مختلف تجربات کا عکس نظر آتا ہے،انہوں نے کیلی گرافی اور فگر روک کے ذریعے اپنی مصوری کو چار چاند لگا دیئے ۔آج کل ان کا خاص موضوع خطاطی ہے جس کے ذریعے وہ روحانیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے نظر آتے ہیں،خطاطی ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے جس آرٹسٹ کو روحانیت سے لگاؤ ہو وہی اس کا حق ادا کر سکتا ہے،اور بلاشبہ عماد صمدانی بھی ان چند

خاص آرٹسٹوں میں سے ایک ہیں جو خطاطی کے فن میں اپنی مثال آپ ہیں وہ قرآنی آیات بہت خوبصورتی سے کینوس پر اتارتے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر اللہ سے محبت کا احساس اجاگر ہوتا ہے۔ان کی بنائی گئی کیلی گرافی یاتھوں ہاتھ بکتی نظر آتی ہیں۔

عماد صمدانی کا کہنا ہے کہ فنکار اور معاشرے میں کشمکش کا عمل ہمیشہ سے جاری ہے اگر یہ نہ ہو تو آرٹسٹ پینٹ نہیں کرسکتا۔موجودہ دور کی ایک بڑی حقیقت ہے ہے کہ آج کا آرٹسٹ فکر معاش کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی ایسی تخلیقات جن کی بہت قدر ہوتی ہے کم نرخوں میں فروخت کرتے ہیں ، یہ ایک تکلیف دہ معاشرتی رویہ ہے ،آرٹسٹ معاشی جدو جہد میں پھنس کر اپنے اندر کے آرٹسٹ سے دور ہو جاتا ہے۔اگر آرٹسٹ اپنی تخلیق کے ساتھ مخلص ہو گا تو نہ صرف تخلیقی عمل کے ساتھ انصاف کرے گا بلکہ اچھے سے اچھا آرٹ

سامنے آئے گا۔موجودہ دور میں جہاں آرٹ کو بہت فروغ ملا ہے اور بہت سے نئے آرٹسٹ سامنے آرہے ہیں وہیں ایک تکلیف دہ بات یہ بھی ہے کہ مختلف اداروں میں آرٹسٹوں کے حلقے ہیں جہاں نیا آرٹسٹ ایک خول میں بند ہو جاتا ہے اور اس کی صلاحیتیں گھٹ کر رہ جاتی، جس کی وجہ سے آرٹسٹ آگے بڑھ نہیں پاتا ہے۔جبکہ فری لانس آرٹسٹوں کو مختلف مسائل کا سامنا ہے ان کے پاس کوئی پلیٹ فارم نہیں ہوتا انہیں اپنے کام کو آگے لانے کے لئے سخت جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔عماد صمدانی نے بھی اپنے کام کو عوام تک لانے کے لئے مسلسل جدوجہد کی، ان کی سب سے پہلی نمائش لاہور جیم خانہ میں ۱۹۸۳ء ہوئی، جس پر انھیں گولڈ میڈل بھی ملا۔ان کا فن اور ان کا کام، آرٹ سے ان کی محبت اور جنون کا منہ بولتا ثبوت ہے ۔ان کا کام ہی ان کی اصل شناخت ہے اور انہوں نے اپنی ساری

زندگی آرٹ کے فروغ کے لئے وقف کردی، اور اپنے فن کو اپنے بہت سے شاگردوں میں بھی منتقل کیا ہے اور کررہے ہیں۔ عماد صمدانی جیسے آرٹسٹ صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں لہذا ان کی قدر کرنا چاہیے، کیونکہ یہی ہمارے ملک کا قیمتی سرمایہ ہیں اور ہماری پہچان بھی ہیں۔

کرچیاں

راحیلہ بنت مہر علی شاہ۔۔گاؤں آماخیل تحصیل وضلع ٹانک۔

وہ بے تحاشہ رو رہی تھی۔۔۔اس نے کیا سوچا تھا کیسے کیسے خواب دیکھے تھے لیکن آج انھی خوابوں کی ٹوٹی کرچیاں اس کے دل میں چبھ رہی تھی۔۔۔

آج تو وہ ماں کے دعاؤں سے بھی محروم تھی جس نے قدم قدم پر اسے گرنے سے بچانے کی کوشش کی تھی ہر دم اسے دعاؤں کے چھاؤں میں رخصت کیا لیکن وہ یہ سب اس وقت سمجھی جب اس کے پاس کچھ بھی نہ رہا اور آج جو وہ اتنی تہی دست تھی تو یہ سب اس کے اعمال کا نتیجہ تھا،اور آج اسے رہ رہ کر ماں کی نصیحت یاد آرہی تھی ،کہ بیٹا یہ دنیا بڑی ظالم ہے۔۔۔ بیٹا یوں بن ٹھن کہ باہر مت نکلو مردوں سے دوستی مت کرو یہ کسی بھی مسلمان عورت کا شیوہ نہیں عورت سیپ میں بند

موتی کی طرح ہوتی ہے جب تک اس کے اندر رہتی ہے انمول ہے اور جب سیپ سے باہر آ جائے تو بے مول ہو جاتی ہے۔۔۔

بس کرو ماں مجھے نہیں رہنا سات پردو میں اس لئے خدا کے لئے یہ ہر وقت کے لیکچر مجھے مت دیا کرو مجھے میرے حال پر چھوڑ دو پلیز اس نے بدتمیزی سے ماں کی بات کاٹی تھی۔۔۔۔

لیکن آج جب اس نے عاظم سے کہا کہ اب وہ کب اپنی امی کو بھیج رہا ہے اب تو سال ہو گیا ہے ایک دوسرے سے ملتے ہوئے ؟۔۔۔تو عاظم کے چہرے پر یک لخت سنجیدگی چھا گئی میں نے کب کہا ہے کہ میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں ؟بات تھی یا پھگلا ہوا سیسہ۔۔۔تت تت تو پھر ؟ دھندلائی ہوئی آنکھوں اور لرزتی ہوئی آواز کے ساتھ میں بمشکل بولی۔۔۔

تو کا کیا مطلب یار؟ جو سب کرتے ہیں جسٹ ٹائم پاس کرنے کیلئے

اور ویسے بھی ہم دوست ہیں کیا یہ کافی نہیں عاظم بولا اور ناہید کے آس پاس دھماکے ہونے لگے۔۔۔

کک کک کیا؟؟؟؟ آپ صرف؟۔۔۔اوہ کم ان ناہید۔۔

ناہید نے کچھ کہنے کے لیے اپنے لب وا کیے کہ عاظم بات کاٹ کر بولا اب کوئی ایموشنل سین کریٹ مت کرنا ایک تو تم لڑکیوں کی یہی پرابلم ہے شادی شادی۔۔۔عاظم کہہ رہا تھا اور ناہید نے اپنا آپ پاتال میں گرتا محسوس کیا اور اب اس کے پاس سوائے رونے کے اور باقی بھی کیا تھا کتنی نادان ہوتی ہیں یہ حوا کی بیٹیاں زرا سی کسی مرد نے میٹھے لہجے میں بات کیا کردی یہ اپنی زندگی داؤ پر لگا دیتی ہیں اور پھر اسی کی وجہ سے عزت ریت کی طرح ہاتھوں سے پھسل جاتی ہے اور وہ کچھ بھی نہیں کر پاتیں سوائے رونے اور پچھتانے کے۔

☆انٹرویو☆

اسلام وعلیکم۔

کیسے ہیں آپ سب؟ امید ہے خیریت سے ہوں گے۔ قارئین آج ہم آپ کے پاس ایک خاص انٹرویو کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں ۔۔۔۔جی جناب انٹرویو خاص ہی نہیں بلکہ خاص الخاص شخصیت کا ہے اور وہ ہیں ہمارے اور آپ سب کے بہت ہی پیارے ہر دل عزیز بابا جان یعنی "سر محمود ظفر اقبال ہاشمی صاحب" جن کے مخلصانہ اور پر شفیق رویئے کی وجہ سے بے شمار لوگ ان کے گرویدہ ہیں اور ان کے چاہنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے جس میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے۔آپ ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں نا صرف بہت اچھے لکھاری ہیں بلکہ بہت اچھے آرٹسٹ بھی ہیں ان کی بنائی ہوئی پینٹنگز ان کے فن کا

منہ بولتا ثبوت ہیں اور ساتھ ہی ادب کے میدان میں جو گراں قدر خدمات آپ سرانجام دے رہے ہیں وہ قابل ستائش ہیں۔آپ کے کئی افسانے اور ناول ادب کی دنیا میں اپنا نمایاں مقام بنا چکے ہیں۔آپ کے بہترین ناول سفید گلاب، اندھیرے میں جگنو،قلم قرطاس اور قندیل ہیں جو پڑھنے والوں کے ذہنوں پر ایک دیر پا تاثر چھوڑ چکے ہیں اور اب بہت جلد آپ کا ایک اور ناول " میں جناح کا وارث ہوں " آسمان ادب پر چھا جانے کے لئے تیار کھڑا ہے۔ہماری ڈھیروں دعائیں ہیں سر کے لئے اللہ پاک آپ کو بے شمار کامیابیاں عطا فرمائے ۔(آمین)۔

جی تو آجائیں اب انٹرویو کی طرف ،اس انٹرویو کی خاص بات یہ ہے کہ یہ انٹرویو لیا ہے سر کے سب چاہنے والوں نے یعنی سوالات آپ سب کے اور جوابات حاضر ہیں جناب محترم بابا جان ،محمود ظفر اقبال ہاشمی صاحب کے۔۔۔۔۔

سوال: کبھی آپ کو، آپ کے کسی ایسے قاری نے بتایا کہ آپ کی اس تحریر نے میری زندگی بدل دی...... مجھے اک بڑی مشکل سے نکل دیا۔(ویسے ہر مصنف کی یہی اک خواہش ہوتی ہے کہ اس کے الفاظ موتیوں کی طرح چمکے)(کہکشاں صابر)

جواب: خوش قسمتی سے بہت سے قارئین کی طرف سے یہ سننے کو ملا کہ سفید گلاب نے محبت کا اصل مفہوم سمجھایا۔ میرا یہ ماننا ہے کہ سچی محبت میں جسم ایک ٹرانزٹ سے بڑھ کر نہیں ہوتا، اصل منزل اس ٹرانزٹ سے آگے شروع ہوتی ہے۔ جو شے دھیرے دھیرے برف کی ڈلی کی طرح عمر کے کاسے میں گھُل رہی ہے وہ جسم ہے سو سچی محبت کا اصل مسکن صرف اور صرف روح میں ہوتا ہے جو کبھی فنا نہیں ہوتی۔ محبت پا لینے سے پہلے کبھی نہاں، کبھی فغاں ہے۔۔۔ محبت پا لینے کے بعد مسلسل امتحاں ہے!

سوال: السلام علیکم، اکثر سنا اور دیکھا گیا ہے کہ لکھاری اکثر جمود کا شکار

ہو جاتا ہے اور الفاظ کہیں گم ہو جاتے ہیں، کیا آپ پر کبھی ایسا وقت آیا؟ اگر آیا ہے تو آپ کیا کرتے ہیں؟ (ثناءواجد)

جواب: جی ہر بار جب میرے وطنِ عزیز میں کوئی دہشت گردی کا واقعہ ہوتا ہے تو میرے قلم میں روشنائی سرخ کائی کی طرح جم جاتی ہے۔ مجھے یاد ہے آرمی پبلک سکول کے واقعہ کے بعد ہفتوں نہ لکھ سکا اور نہ ٹھیک سے سو سکا۔ اس کے علاوہ میرے سفر میں کبھی کوئی رکاوٹ نہیں آئی۔

سوال: آپ کی شخصیت سنوارنے میں سب سے زیادہ کس چیز نے اپنا رول ادا کیا ہے،۔ آپ اپنے مداح کو کیا مشورہ دیں گے کہ انکی زندگی بھی سنور جائے۔ (آصف نور)

جواب: صرف اور صرف محبت نے! سچی اور بے لوث محبت کیجئیے اور خود جان جائیے۔۔۔ وہ ندا فاضلی کی کیا خوبصورت غزل ہے۔۔۔ ہوش والوں کو خبر کیا بے خودی کیا چیز ہے۔۔۔ عشق کیجئیے پھر سمجھئیے زندگی کیا چیز ہے!

سوال: السلام علیکم محترم سر......سب سے پہلا سوال تو یہ کہ موجودہ دور میں چاہے وہ افسانہ ہو ناول ہو یا ڈرامہ اس میں عورت کا کردار اتنا زیادہ کیوں ہے؟ مرد کا کردار اتنا مختصر کیوں ہو گیا ہے؟ کسی بھی چینل پہ دیکھ لے روتی دھوتی مظلوم عورت جس کے ارد گرد مکارانہ انداز میں ہنستی، سازشیں کرتی اس جیسی ہی عورتیں ہوتی ہے اور بیچ میں کھڑا ایک خاموش کردار یعنی مرد......آخر ایسا کیوں ہے؟ آج کل کے رائٹر نے، میڈیا نے مرد کا کردار اتنا مختصر کیوں کر دیا ہے؟ دوسرا سوال یہ کہ آج کل یہ رواج کیوں ہو گیا ہے کہ آپ کی تحریر جتنے مشکل الفاظ سے بھرپور ہو گی وہ اتنی مقبول ہو گئی؟ تیسرا سوال یہ کہ کہانی بنتے وقت کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے؟ تاکہ لکھتے وقت گرفت ڈھیلی نا پڑے؟ خوش رہیں، آباد رہیں......؟ (کشف بلوچ)

جواب: اس کائنات کی تخلیق خالقِ اعلیٰ نے توازن کے سنہری اصول و بنیاد پر کی تھی اور تمام مقدس صحیفوں اور پیغمبروں نے بھی اس کی سب

سے زیادہ تلقین کی۔ انسان کا مسئلہ یہ ہے اسے جس شے کی زیادہ تلقین کی جائے ؟وہ اسے شجرِ ممنوعہ سمجھ کر چکھنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم انسانوں کے تمام کلیدی مسائل کے تانے بانے عدم توازن سے ہی جا کر ملتے ہیں۔عورت اور مرد کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔اس عدم توازن کو ادب سے کہیں زیادہ شہہ الیکٹرانک میڈیا نے ٹی وی ڈراموں کے توسط سے دی ہے۔آج سے بیس برس پہلے پی ٹی وی کے دور میں ایسا بالکل نہ تھا۔یہ انڈین کلچر سے متاثرہ رجحان ہے جو پچھلے بیس برسوں سے ہمارے ڈراموں میں غالب ہے اور تب تک رہے گا جب تک کوئی کشف بلوچ کسی چینل کی headcontent نہیں بن جاتی !!!

آپ کا دوسرے سوال کا مختصراً جواب یہی ہے کہ مشکل یا آسان الفاظ کا استعمال دراصل تحریر کی روح سے جُڑا ہوتا ہے۔اگر تحریر میں روح متحرک ہے تو آسان یا مشکل الفاظ کوئی معنی نہیں رکھتے۔اگر تحریر کا باطن بانجھ ہے تو لاکھ سمندر کی تہہ سے غوطہ لگا کر مشکل الفاظ ڈھونڈ لائیں اس تحریر کی

گود خالی ہی رہے گی۔ محسن نقوی نے کیا آسان ترین لفظوں میں فلسفۂ فرقت بیان کیا تھا۔۔۔اِک تنہا شجر نے مجھ سے کہا۔۔۔میرے سائے میں روز بیٹھا کر!

آپ کا آخری سوال کہانی کی بُنت سے متعلق ہے۔ جس طرح آپ سویٹر یا قالین بُنتے ہوئے سختی کے ساتھ طے/ منتخب شدہ ڈیزائن کے تابع ہوتے ہیں اسی طرح آپ پہلے کہانی کا خلاصہ، کرداروں کا تعین، اسلوب، موضوع و مقصدیت ڈیزائن/ پلان کرتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کو کہانی کی بُنت پچیس فیصد ابتدائیہ) کہانی/کرداروں کا تعارف(، پچاس فیصد وسطیہ) کہانی میں مشکلات اور (twist) اور پچیس فیصد اختتامیہ (کلائمیکس) کے اصولوں پر تقسیم کرنی چاہیئے۔ کہانی کو ہاتھ چھڑوا کو اپنے سے آگے آگے کسی صورت میں نہ چلنے دیں بلکہ کہانی کو ایک کہانی کار کے سائے کی طرح اس کا تابع ہو کر اس کے پیچھے پیچھے چلنا چاہیئے اور اس پر واحد اختیار صرف کہانی کار کا ہی ہوتا ہے

!

سوال: مجھے اکثر یہ کیوں محسوس ہوتا ہے کہ آپکی ذات آپکا ہونا آپ کا پیکر ایک خواب ہے.........محض ایک خواب......! مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کسی عظیم شخصیت سے میری خواب میں آدھی ادھوری ملاقات ہوئی ہوں مگر بڑا جی چاہتا ہے کہ ایسی نیند آئے جو بہت گہری ہو جس میں آپ سے طویل باتیں ہوں اور جس کی صبح ہر آنے والی صبح سے زیادہ پرسکون ہوں......! (حرا قریشی)

جواب: خوابوں کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے حرا۔۔۔آپ جاگتے ہوئے بھی مجھ سے طویل گفتگو کر سکتی ہیں بشرطیکہ فون سگنلز/نیٹ ورک ٹھیک کام کر رہے ہوں!

اور یہ انسان عظیم وغیرہ کچھ نہیں ہوتے۔ عظیم صرف اللہ کی کی ذات ہے ۔انسان تو سکّے کی مانند ہوتے ہیں جس کی ایک سائیڈ سفید اور ایک سیاہ ہوتی ہے!

سوال: آپ نے اس بے لوث محبت کا درس کہاں سے اور کس سے سیکھا؟؟؟؟ کس چیز نے آپ کو اتنا باوقار بنا ڈالا؟؟ (بنت حوا)

جواب: یہ تو اللہ ہی جانے کہ محبت کی application کا سافٹ ویئر صرف وہی انسانوں کے ہارڈ ویئر میں ڈال کر انہیں اس دنیا میں بھیجتا ہے۔ البتہ انسان کو باوقار بنانے میں سب سے اہم کردار والدین کی تربیت اور علم کا ہوتا ہے۔

سوال: اگر ایک انسان تخلیقی ذہن رکھتا ہے مگر وہ بیک وقت کئی سوچوں کے بھنور میں پھنسا رہتا ہے، وہ کیسے اپنی منتشر سوچوں کو ایک نقطے پر لائے؟ کیا آپ ایسی کیفیت کا شکار ہوئے ہیں کبھی، اور اگر ایسا ہوتا ہے تو آپ کیسے اس مشکل سے خود کو باہر نکالتے ہیں؟ میرے ساتھ کیونکہ یہ معاملہ ہر وقت رہتا ہے میں بیک وقت کئی کہانیوں کے پلاٹ ذہن میں بنا لیتی ہوں مگر پھر مکمل نہیں کر پاتی ۔ (علینہ ملک)

جواب: ایک تخلیقی ذہن رکھنے والا انسان اکثر اس کیفیت کا شکار رہتا

ہے مگر جب تک آپ ساحل کی طرف جانے والی کسی ایک کشتی کا انتخاب نہ کرلیں تب تک آپ کبھی ساحل تک نہیں پہنچ سکتے۔میرے دماغ میں بھی آپ کی طرح بیسیوں کہانیاں و کردار رنگ برنگے لباس پہنے ہر وقت گھومتے رہتے ہیں، مگر جب میں ایک عدد کشتی اور چھپو تھام لیتا ہوں تو کبھی مڑ کر نہیں دیکھتا اور صرف ساحل پر نظر رکھتا ہوں یہ مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔

سوال: السلام علیکم سر کونسی ایسی شخصیت ہے جس سے آپ کو ملنے کا بہت دل کرتا ہے؟ (افشاں شاہد)

جواب: عمران خان اور عمیرہ احمد! عمران خان سے تو تا حال ملاقات نہیں ہوئی البتہ پچھلے دنوں دورۂ پاکستان کے دوران عمیرہ احمد سے یادگار طویل ملاقات ہوئی۔انہیں مل کر اندازہ ہوا کہ وہ نمبر ون کیوں ہیں!

سوال: سب سے پہلے تو نہایت عزت احترام محبت اور صد خلوص کے

ساتھ معزز سر کی خدمت میں اسلام علیکم سر آپ کی بے انتہا خوبصورت تحریریں ہمارے لیے مشعل راہ اور ادب کا قیمتی سرمایہ ہیں آپ کے خیال میں ڈائجسٹ رائٹر کا ادب میں کیا مقام ہے؟ (لبنیٰ غزل)

جواب: میں ڈائجسٹ رائٹرز کا ہمیشہ دل سے احترام کرتا ہوں کہ مجھے کہانی پڑھنے، سمجھنے اور لکھنے کی ترغیب برسوں پہلے مشرف تمیز کے سلسلے وار ناول 'نگاہِ التفات' سی ملی تھی۔ مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ 'اہلِ ادب' ڈائجسٹ رائٹرز کو کیا مقام دیتے ہیں مگر پاپولر فکشن بھی نثر کی ہی ایک قسم ہے!

سوال: السلام علیکم پیارے ماموں جان ....اللہ پاک ہمیشگی والی خوشیاں عطا فرمائے ......

گستاخانہ سوال پر معذرت ......لیکن یہی سوال ذہن کے پردے پر ٹکر مار رہا ہے ......ایسا کوئی حادثہ یا واقعی جسے یاد کر کہ آنکھ نم ہو جاتی ہو..........!(بنت راشد کشمیری)

جواب: آرمی پبلک سکول کا سانحہ۔۔۔اس زخم سے خون آج تک رِس رہا ہے!

سوال: آپ محبت پر لکھتے ہیں ایسا سب کہتے ہیں، میں نے بس آپ کا ایک افسانہ ہی پڑھا ہے آپ کے پیج پر مجھے بہت اچھّا لگا ......بہت خوبصورت لفظ اور کمال کا انداز بیاں ہے.....سوال یہ ہے کہ محبت پر لکھنے کی کوئی خاص وجہ؟عموماً رائیٹر رونا دھونا ہی لکھ رہے ہیں......

2: آپ کے نزدیک آپ کی فیورٹ کتاب کون سی ہے؟

3: دیکھنے میں آ رہا ہے رائیٹر زیادہ ہیں اور ادب کم ....آپ کی رائے؟

4: نئے لکھاریوں کے لیے کوئی ٹپ......................؟

5: کوئی ایسی کتاب جسے پڑھ کر الفاظ کا ایک نہ ختم ہونے والا ذخیرہ مل جائے؟ (سنبل خان)

جواب: بہت شکریہ سنبل!۔محبت پر لکھنا میرے نزدیک دوسرے لفظوں

میں ذکر اللہ ہے کہ محبت اللہ تعالی کی ذات کا پرتو ہے۔ البتہ اس کے لئے محبت، اس کے معنوں اور اصل روح کی طرف صحیح سمت سے دیکھنا بہت ضروری ہے ورنہ محبت پالینے والے خوشی سے قلابازیاں کھاتے اور محبت میں مات کھانے والے دھاڑیں مارتے ہی دکھائی دیں گے۔ ہمیں یہ جاننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے کہ محبت میں پالینا یا کھودینا دراصل ہے کیا!۔ صنف وانواع سے بالاتر ہوکر دیکھیں تو قرآن میری سب سے فیورٹ کتاب ہے اور اگر آپ کے سوال کو صرف ادبی دائرے میں مقیّد کردیا جائے تو تارڑ صاحب کی 'پیار کا پہلا شہر' اور احمد ندیم قاسمی صاحب کے تمام افسانے!

۔ جو شے اچھی ہو وہ ہمیشہ کم ہوتی ہے

۔ فکر نہ کریں یہی بہترین تناسب ہے کہ ادب کم اور ادباء زیادہ ہوں۔۔۔ سب جانتے ہیں کہ سو بیماروں کے لئے ہمیشہ ایک انار ہوا کرتا ہے!

۔ نئے لکھنے والوں کو ٹِپ کے لئے میرا کشف بلوچ کو دیا ہوا جواب دیکھیں۔

۔اس کے لئے دنیا میں آج تک لکھی گئی تمام کتب کا مطالعہ بھی کم پڑ جائے گا۔اس کا جامع جواب ایک ہی ہے۔۔۔'فیروزاردولغات'!!!

سوال: قابل احترام سر کیسے ہیں آپ؟ اپنی فیملی کے بارے میں کچھ بتائیں، کھانے میں کیا پسند ہے،کلر کونسا اچھا لگتا ہے،موسم کونسا پسند ہے ،پسندیدہ لکھاری کون ہے؟(عائشہ احمد)

جواب:۔میری مختصر سی فیملی میری والدہ،شریکِ حیات اور ایک عدد بیٹے پر مشتمل ہے۔

۔صرف زندہ رہنے کے لئے کھاتا ہوں مگر اس کے باوجود دال ماش اور بھنڈی سب سے زیادہ پسند ہے۔

۔مصورِاعظم کے تخلیق کردہ سب رنگ پسند ہیں۔ایک مصورِ عام بھی ہوں سو اس کائنات کی طرح اپنی کلر پیلیٹ میں تمام رنگوں کو یکساں طور

پرسرا ہتا ہوں اوران کا مفہوم سمجھنے کی مسلسل کوشش کرتا رہتا ہوں !

۔پسندیدہ موسم وہی ہے جس میں بیک وقت دھنک بھی اُبھرتی ہے اور بجلی بھی کڑکڑاتی ہے۔۔۔ویسے اپنی شریکِ حیات کو کوئی بھی نیا لباس پہنے دیکھ کر اکثر کہتا ہوں۔۔۔تم جس رنگ کا کپڑا پہنو، وہ موسم کا رنگ!

۔پسندیدہ ترین لکھاری احمد ندیم قاسمی صاحب۔

سوال: ظفری بابا سے میرا سوال آپکے ناول "سفید گلاب، کے دو اہم کردار "مریم اور فہد، ان سے آپکی ملاقات۔کیا حقیقی زندگی میں بھی ہوئی ہے؟ کیونکہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ کردار سچے ہیں۔۔(رضوانہ صدیقی)

جواب: مریم سلمان اور فہد میری ذات کا اٹوٹ انگ ہیں۔دونوں میرا دل، میرا چہرہ، میری آنکھیں، میری زبان اور میرا باطن ہیں۔۔۔ان کے سچے ہونے کی اس سے بڑی دلیل نہیں دے سکتا رضوانہ بہن!

سوال: میرا سوال یہ ہے کہ آپ جب بھی کوئی ناول لکھتے ہیں تو ریسرچ

کس بنیاد پر کرتے ہیں احساسات کا مجموعہ تو شامل ہوتا ہے لیکن ریسرچ کے لئے انٹرنیٹ تک محدود رہتے ہیں یا گردونواع پر بھی نظر رکھتے ہیں؟

جواب: نہیں عدیلہ ناول لکھنے کے لئے صرف تخیل، احساسات اور انٹرنیٹ ریسرچ کافی نہیں ہوتے۔۔۔مشاہدہ، مطالعہ اور زندگی کے تجربات بھی اتنے ہی اہم ہوتے ہیں۔ پیزا کھانے کا اصل لطف لینے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی dough اور topping آپ خود تیار کریں!

(ترتیب وتدوین :علینہ ملک)

☆سروے☆

سوال۔ہم سب اسلامی جمہوریہ پاکستان میں رہتے ہیں ہمیں نیو ایئر کا تہوار منانا چاہیئے یا نہیں؟

1۔ جواب آپ کے ہی سوال میں موجود ہے.....جس بات کی اسلام اجازت نہیں دیتا، اس کو ہم مسلمان کیوں کرے.....اور کر کے حاصل بھی کیا کر لے گے، نہ سال واپس آئے گا، نہ ہی اس سال میں ہونے والی غلطیاں مٹیں گی، نہ ہی اس سال میں ہونے والے گناہ ثواب میں تبدیل ہونگے، ہاں البتہ ایک اور غلطی ایک اور گناہ سرزد ہو جائے گا، اور ہم ایک اور سزا کے مستحق ہو جائے گے۔

(سنبل خان بٹ)

2۔ ہرگز نہیں منانا چاہیئے.....میری سمجھ میں نہیں آتا کہ نئے سال کی

خوشی ہوتی کیوں ہے؟ کچھ اچھا کام کریں یا کسی خدمت خلق کے کام میں اپنا حصہ ڈالیں تو روز خوشی منائیں اللہ کا شکر ادا کر کے ورنہ ہندسے بدلنے کی کیا خوشی ہوتی ہے سمجھ سے بالاتر ہے۔

(محمودہ عالیانی)

3-اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا ہم نفس کے غلام بن گئے ہیں اور ہمارے اندر یہودیوں کا مذہب گھولا جا رہا ہیں کوئی رسم کرتے ہوئے بھی یاد رکھنا چاہیئے کے ہمارا تعلق مذہب اسلام سے ہے۔

(محسن طاب)

4-اک اک گزارتا پل ہمارے لئے لمحہ فکر ہے ہر دن ہم جانے ان جانے پتہ نہیں کتنی غلطیاں کرتے ہیں اس میں ہم چھوٹی چھوٹی نیکیوں کو جمع کرنے کی بجائے گناہوں کو کتنی خوشی اور مسرت سے مناتے ہیں خود کو لوگوں کے سامنے پتہ نہیں کیا ظاہر کرنے کے لئے ......!اور جس

کے سامنے خود کو اچھا ظاہر کرنا ہے اس رب کریم کو اس کے بنائے
اصول کو تو بھول ہی گئے ہیں۔ (کہکشاں صابر)

5- آپکا سوال یہ ہے کہ ہم سب اسلامی جمہوریہ پاکستان میں رہتے
ہیں ہمیں نیو ائیر کا تہوار منانا چاہیئے یا نہیں؟

تو پیاری بہن ہونا تو بہت کچھ نہیں چاہیئے۔۔لیکن پھر بھی ہوتا ہے۔۔
ہم دیکھتے رہتے ہیں کف افسوس ملتے رہتے ہیں۔۔نیو ایئر منانے کی
رسم تو بہت پہلے سے ہی ہمارے معاشرے میں داخل ہو چکی تھی اب تو
اور ڈھیروں خرافات بھی داخل ہو چکی ہیں مثلاً: ویلنٹائین ڈے، ہیلو
ان، اور اب تو ایک اور نئی چیز میں نے دیکھی جس کو اب شادی کی
رسومات میں شامل کر لیا گیا ہے۔۔وہ ہے۔ برائیڈل شاور۔اففف۔
نئی نسل کچھ نیا کرنے کے شوق میں۔۔کدھر جا رہی ہے یہ باتیں آپ
کے موضوع سے تھوڑا ہٹ کر ہیں لیکن اسی بے راہ روی کا ایک حصہ

ہیں اسلیئے میں کیئے بغیر نہ رہ سکی یہ ٹھیک ہے کہ ہم لوگ اپنے زیادہ تر کام عیسوی کیلنڈر کے حساب سے کرتے ہیں ۔۔ اور شعوری اور لاشعوری طور پر جب ایک سال ختم ہو رہا ہوتا ہے اور نیا سال شروع ہو رہا ہوتا ہے تو دل میں یہ ضرور احساس ہو رہا ہوتا ہے کہ یہ سال کس طرح ختم ہو گیا اور ہم نے اسمیں کیا، کیا کیا اور نئے سال میں کیا کرنا ہے ۔۔ یہ ایک فطری سوچ ہے۔ لیکن نئے سال کی خوشی میں پاگل ہونا ۔۔ مغرب تہذیب کی تقلید میں اتنا آگے بڑھ جانا کسی بھی طرح درست نہیں نہ ہمارا مذہب اس چیز کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہماری تہذیب ۔۔ اور یہ ماں باپ اور بڑوں کی ذمہ داری ہے بچوں کی سوچ کو درست کریں اور ان کو صحیح راستہ بتائیں ۔۔ نہ کہ خود بھی ان کی بد تمیزیوں میں شامل ہو جائیں۔

(رضوانہ صدیقی)

6-نام کا ہی اسلامی ملک سارا نظام ہی بے ایمانی پر بنا ہوا ہی کس پر آپ کہہ رہی ہیں اسلامی ملک ہے۔ ہم کو نیا سال نہ منانا چاہی ہمارا اسلامی سال محرم ہی جو شروع ہو چکا ہے۔ (صالحہ عزیز)

7-ہمارا نیو ایر تو یکم محرم سے شروع ہوتا ہے سو یکم جنوری کو منانے کی کبھی گنجائش نہیں رہی مگر کیا ہے ہمارے ملک سے انگریز تو چلا گیا لیکن ان کا نظام ابھی تک چل رہا ہے آپ ہر شعبے پہ نگاہ ڈالیں تو معلوم ہو سو نیو ایر بھی اسی سلسلے کی اک کڑی ہے۔ (ستارہ آمین کومل)

8- نہیں نہیں منانا چاہیے میرا اپنا ذاتی خیال ہے مگر ایک بہت افسوس کی بات بھی ہے کہ جب ہم محرم میں اپنا نیو ایئر شروع کرتے ہیں تو بہت سے اندرون خانہ مسائل لاحق ہوتے ہیں اس قدر پست ہو چکے ہیں کے ہم خود ہی ہر چھوٹی چھوٹی بات پر نقطہ چینی کر رہے ہوتے ایک دوسرے پر...... خیر آپ اپنے چاروں طرف مسلمانوں کی حالت زار

دیکھ لیں اور ضمیر کی عدالت جو فیصلہ کرے وہ کر لیں کوئی بات نہیں......

(سمیرا ستار)

9- دیکھو کسی بھی خوشی کے موقع کو سیلیبریٹ کرنے میں کوئی مذائقہ تب نہیں اگر چہ وہ آپکے مذہب مسلک محور پر حملہ آور نہیں ہوتی خوشی تو خود بہانے ڈھونڈتی ہے طریقہ الگ الگ ہوتا ہے اگر منانے کا طریقہ مہذب پسند ہے امن والا ہے اور منانے سے مطلب صرف مبارک باد دینا خوش ہونا یا کسی کو وقت سے وابستہ کوئی دعا دینا ہے تو کوئی بھی رسم بری نہیں نیا سال عیسوی صورت بھی بدلتا ہے اور شمسی صورت , ہم نہ منائیں تو بھی اس سال نے ختم ہونا ہے اور نئے نے آنا ہے منائیں تو بھی اسے کوئی اثر نہیں پڑتا وقت بڑی لاپرواہ سی چیز ہے فرق تو ہمیں پڑتا ہے اس کے ہونے اور نہ ہونے سے

......(سدرۃ المنتہا جیلانی)

10-نیو ائیر کا تہوار مغربی تہوار ہے. میرے خیال میں تو نہیں منانا چاہیئے کیونکہ اگر اس کی گنجائش ہوتی اسلام میں تو یقیناً ہم محرم الحرام شروع ہونے پر بھی جشن مناتے - دیکھیں واضح سی بات ہے کہ حدیث پاک کے مطابق جو شخص دوسری اقوام کی نقالی کرے گا، بروز حشر انہی کے ساتھ اٹھایا جائے گا......اس لیئے دیکھا دیکھی بھی نہیں منانا چاہیئے ...... ویسے مجھے بہت حیرت ہوتی ہے ......نیو ائیر سیلیبریشنز دیکھ کر......بجائے اس کے کہ ہماری عمر کا ایک اور قیمتی سال ہاتھوں سے چلا گیا، اداسی اور ایک نئ امید کی بجائے ہم جشن منانے میں مصروف ہیں ...... میں تو بالکل بھی نہیں مناتی یہ تہوار۔ اللہ پاک ہمیں ہدایت دے......آمین (عرشیہ ہاشمی)

11-میرے خیال سے تو بالکل غلط ہے ہم مسلمان ہے ہمارا نیا سال محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے اور دوسری بات ہم یہودیوں کے تہوار

کیوں منائیں کیا کبھی کسی یہودی نے عید منائی......؟(افشاں شاہد)

12-میرے خیال سے ٹھیک ہے کیونکہ اسلام میں منع نہیں اور ہر وہ کام جو اسلام میں منع نہیں اس کو منانے میں کوئی مسئلہ نہیں اور پھر ہمارے یہاں کونسا اسلامی کیلینڈر کو فالو کیا جاتا ہے۔(فاطمہ وقاص)

13-بلکل غلط ہے ہمارے اسلام ایسا کوء تہوار نہیں ہمارا اسلامی مہینہ محرم الحرام ہے ہم سب آئیں اور عہد کریں ہپی نیو ائیر کا کوئی میسج یا کسی کو بھی وش نہیں کریں گے کیونکہ ہم سچے مسلمان اور یہ انگریزوں کی رسم ہے جس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں (راشدہ فاطمہ)

14-میرے خیال میں تو نہیں ھونا چاہیے...... باقی یہاں اور کتنے ہی کام ہیں جو مغربی تہذیب مغربی ثقافت ان کا کلچر ہم نے اپنا رکھا ہے......جو غلط ہے..........تو نیو ائیر بھی اسی طرح ہے......اسلامی طرز سے تو یہ ہمارا تہوار نہیں ہے تو منانا نہیں چاہیے مگر لوگ مناتے

ہیں پھر بھی..........(نوشین اقبال نوشی)

15-بالکل یہ مغرب کی وبا ہے جس نے ہمارے معاشرے کو اور دوسری لعنتوں کی طرح اپنی لپیٹ میں اس بری طرح جکڑا ہے کہ ہم اپنی اصل پہچان بھول چکے ہیں......(لبنیٰ شکیل)

16-میرے حساب سے ناجائز ہے(سعیدہ نثار)

17-بلکل ٹھیک نہیں کیونکہ ہمارے لیے شرعی طور پر دو تہوار ہیں عیدین ،دوسری بات یہ کے اگر ہم اپنی چھوٹی چھوٹی خوشیاں اسلامی طریقے سے منانے لگیں تو ہمیں ان مصنوعی خوشیوں کو منانے کی طلب ہی نہیں رہے گی......(ہالہ نور)

18-ویسے یہ سوال دوستوں سے کیا گیا ہے لیکن ٹانگ اڑانے کی عادت تو ہمیں ہے ہی،اس سوال کا جواب اگر ہاں یا ناں میں دینا ہے تو میرا جواب ہاں ہوگا وجہ بھی ساتھ ضرور لکھوں گا ہم ایسی بہت سے

تہوار یا رسمیں مناتے ہیں جنکا اسلام سے کوئی تعلق نہیں شادی کرتے ہیں تو مہندی، جوتا چھپائی اور نا جانے کیا کیا، پھر سالگرہ مناتے ہیں پھر ویلنٹائن ڈے مناتے ہیں اور تو اور محرم الحرام کی 9،10 تاریخ کو گھر میں روٹی نہیں بناتے اور اگر وجہ اور اگر وجہ پوچھی جائے تو کہتے ہیں جو شادی پے رسمیں کیں وہ خوشی کے طور پر کیں اور جو محرم میں کیا وہ غم تھا جب یہ سب ہو سکتا تو ایک نیا سال منانے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ جب شراب پی ہی لی تو حرام کیا حلال کیا......(احمقِ اعظم)

19- میں جائز نا جائز کے متعلق بولوں گی تو حقیقت تو یہ ہے آدھے سے زیادہ کام آج کل ہم لوگ ناجائز کر رہے ہیں کسی سے فتویٰ لیا جائے تو وہ تو fb کے بے جا استعمال کو نا جائز قرار دیں گے لہذا جو بات حدود میں رہ کر کی جائے اس میں حرج نہیں .... مجھے کسی سے اختلاف نہیں سب کی اپنی رائے ہے۔(کبری نوید)

20-یہ ملک اسلام کے نام پہ بنایا گیا تھا اس لیے یہاں اسلامی تعلیمات کو ہی فروغ دینا چاہیئے لیکن بدقسمتی سے ہماری مثال ایسی ہے کہ کوا چلا ہنس کی چال اور اپنی چال بھی بھول گیا۔ نیوائیر اور کرسمس یہ دونوں تہوار عیسائیوں کے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے ان تہواروں کو منانا تو دور کی بات ہے ان کی مبارکباد دینا بھی جائز نہیں ہے ۔(عریشہ سہیل)

21-ہر وہ چیز جو غیر مسلموں سے مشابہت رکھتی ہوں اس سے منع فرمایا گیا ہے...... لیکن ہمارے نبی کریم صل اللہ علیہ والہ وسلم اسلامی سال کا آغاز دعا سے کرتے تھے...... ہمارا نیا سال تو گزر چکا ہ (فاطمہ عبدالخالق)

22-نیوائیر تہوار بالکل بھی نہیں منانا چاہیئے... کیونکہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا دین ان فضول اور غیر شرعی رسم ورواج کی بالکل بھی اجازت

نہیں دیتا .... ہمیں بحیثیت ایک مسلمان قوم کے ان مغربی تہواروں کو نہیں اپنانا چاہیے جو صرف وقت اور پیسے کا زیاں ہیں ......

(نائید اختر بلوچ)

23-وہ لوگ نیو ائیر نا منائیں جو باقی کام بھی بمطابق شریعت کرتے ہیں۔

(حسن علی)

24-ہونا تو نہیں چاہیئے لیکن پاکستان میں تو ہولی بھی منائی جاتی ہے اور کرسمس، بلیک فرائی ڈے بھی اور تو ہولی اور دیوالی پر چھٹی بھی ہوتی ہے سندھ میں۔ (حریم ملک)

25-یہ سب تو کلیر ہے سوال کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، لیکن بات یہ ہے کہ آپ کیا کیا چھوڑ سکتے ہیں ...... فیس بک، واٹس اپ، ٹوئیر، یاہو، جی میل، ڈیلی موشن سے سالانہ یہودی اور عیسائی کو بہت فائدہ

ہو رہا ہے کہ مارک زکر برگ جیسا آدمی بھی چند ماہ میں بلینیر بن گیا یہ سب چھوڑ سکتا ہے کوئی مسلمان نہیں نا تو صرف منانے سے کیا ہوتا سالگرہ، نیو ائیر، ویلنٹائن اور اب تو ہمارے اسکول میں کرسمس بھی منایا جاتا ہے......(حیا بخاری)

26- جواب تو بہت واضح ہے کہ نہیں، لیکن ہم کہاں چھوڑتے ہیں کبھی فیشن میں اور کبھی دنیاداری کی وجہ سے کرتے ہیں...... سچ تو یہ ہے کہ آزادی حاصل کرنے کے باوجود ہم اب تک آزاد نہیں، غلام ہیں ان روایات اور تہوار کے، ہم غلام ہیں اپنی فرسودہ سوچ کے اور جب ہم اپنی سوچ سے نہیں لڑ سکتے تو اعتراض کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا......

(آبرو نبیلہ اقبال)

27- اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ہر مغربی تہوار منا رہے ہیں تو نیو ائیر بھی منا رہے ہیں غلط صحیح کا تو کنسیپت ہی ختم ہو گیا......) ہانیہ حیدر(

میں نیوایئر بالکل نہیں مناتی اور بلاشبہ یہ مغربی تہوار ہے کیونکہ نیوایئر کے ساتھ اب جو خرافات ہیں وہ ناقابل برداشت ہیں۔

(ام طیفور)

28-اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ایسا کیا کچھ ہو رہا ہے جو کسی حوالے سے جائز نہیں ہمیں اندھی تقلید کی پختہ عادت پڑ چکی ہے۔

(بشریٰ گوندل)

29-منانے اور نہ منانے سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا آزاد قومیں یہ سب کرتی ہیں......(سردار امتیاز خان)

30- نہیں منانا چاہیے کیونکہ ہمیں یہود و نصاریٰ کی پیروی نہیں کرنی بلکہ مسلمان کی حیثیت سے اپنے اسلامی کلچر کو فروغ دینا چاہیے۔

(فری ناز خان)

31-نیوایئر پر ہم سب بہن بھائی مل کر خوشیاں مناتے ہیں، کھانا

کھاتے ہیں اور ساتھ ہی دعا کرتے ہیں کہ نیا سال اچھا گزرے ،ہمارے ملک کا نظام انگریزی کلیلنڈر کے حساب سے چل رہا ہے اس لئے ہمیں بھی اسی کے مطابق چلنا پڑتا ہے اور اسے اپنا سال سمجھ کر مناتے بھی ہیں۔۔۔میں سمجھتی ہوں کہ اگر خوشی کا موقع ملے تو اسے ضایع نہیں کرنا چاہئے ،مگر ہاں اسلامی تہوار پر بھی اتنا ہی خوشی کا مظاہرہ کرنا چاہیئے اور اسے بھی دل وجاں سے منانا چاہیئے۔

(مزمل اپل)

☆☆☆

انڈوں کا حلوا۔

اجزاء......

ڈبل روٹی (سلائس) چھ عدد

انڈے آٹھ عدد

چینی ایک کپ

دودھ ایک پاؤ

زعفران ایسنس چند قطرے

زعفران ایک چٹکی

بادام، پستے حسب ضرورت

گھی ایک کپ

ترکیب......

1-ڈبل روٹی کے کنارے کاٹیں اور بریڈ کے پیسز کرلیں۔

2-اب پین میں دودھ، چینی، انڈے اور بریڈ کو مکس کریں۔

3-پھر اسے ہلکی آنچ پر پکائیں۔

4-جب آمیزہ خشک ہونے لگے تو اس میں گھی اور زعفران ایسنس شامل کر کے بھونیں۔

5-حلوہ گھی چھوڑ دے تو اس میں زعفران ڈال کر مکس کرلیں۔

6-آخر میں ڈش آؤٹ کر کے بادام پستے سے گارنش کر کے سرو کریں۔

گاجراور چکن سوپ......

اجزاء......

(گاجر تین سے چار عدد) ابلی ہوئی
(چکن دوسو گرام) ابلی اور کٹی ہوئی
تیل دو سے تین کھانے کے چمچ
(پیاز ایک عدد) باریک کٹی ہوئی
لہسن پیسٹ ایک کھانے کا چمچ
نمک حسب ضرورت
(کالی مرچ ایک چائے کا چمچ) کٹی ہوئی
دار چینی پاؤڈر ایک چٹکی
چکن کیوب دو عدد
کریم آدھا کپ
پانی دو کپ

ترکیب......

1- گاجروں کو گرائنڈ کر کے پیسٹ تیار کر لیں اور ایک طرف رکھ دیں۔

2- اب ایک پین میں تیل گرم کر کے پیاز کو فرائی کر لیں۔

3- پھر اس میں لہسن پیسٹ ڈال کر دو سے تین منٹ کے لئے فرائی کر لیں۔

4- اب گاجر کا پیسٹ اور ایک کپ پانی شامل کر کے پانچ منٹ تک پکائیں۔

5- جب ابال آنے لگے تو اس میں ابلی چکن شامل کر کے مکس کر لیں۔

6-پھر نمک، کالی مرچ، دار چینی پاؤڈر اور چکن کیوب شامل کر دیں۔

7-اب ایک کپ پانی شامل کرکے پانچ منٹ تک مزید پکائیں۔

8-سرونگ پیالے میں نکال کر کریم سے سجا کر پیش کریں۔

چکن کارن سوپ......

اجزاء......

چکن اسٹاک چھ کپ

(چکن بریسٹ ایک عدد) کٹی ہوئی

نمک ایک چائے کا چمچ

سفید مرچ ایک چوتھائی چائے کا چمچ

کالی مرچ آدھا چائے کا چمچ

سیرا جا ساس ایک کھانے کا چمچ

ہوئی سون ساس ایک کھانے کا چمچ

چکن پاؤڈر ایک کھانے کا چمچ

(بند گوبھی آدھا کپ) باریک کٹی ہوئی

(گاجر دو کھانے کے چمچ) کٹی ہوئی

(مشروم دو کھانے کے چمچ) سلائس کی ہوئی

ہری پیاز کے پتے ایک چوتھائی کپ

(ہرا دھنیا دو کھانے کے چمچ) کٹا ہوا

کارن فلور تین کھانے کے چمچ

ترکیب......

1- چکن اسٹاک کو گرم کرکے اس میں چکن شامل کرکے پکائیں یہاں تک کہ چکن گل جائے۔

2- پھر اس میں بند گوبھی، گاجر، مشروم، نمک، سفید مرچ، کالی مرچ، سیرا چا ساس، ہوئی سن ساس اور چکن پاؤڈر شامل کرکے دس منٹ کے لئے پکائیں۔

3- پھر کارن فلور کو آدھا کپ پانی میں گھول کر سوپ کے اوپر ڈال دیں اور گاڑھا ہونے تک پکائیں۔

4- آخر میں ہرا دھنیا اور ہری پیاز کے پتے ڈال کر گرم گرم پیش کریں۔

☆ غزل ☆

میرے محبوب کا چہرہ مہتاب سا ہے
اس کے لب کا حسن گلاب سا ہے
اس کی نیم باز آنکھوں میں
اک نور آفتاب سا ہے
اس کے وصف ہیں بہت
اسے بیان کرنے کو لفظ بے حساب سا ہے
اس کے آنے سے زندگی مل جاتی ہے
اس سے جدا رہنا عذاب سا ہے
محبت کی کھیتی ہو گئی ہری بھری
اس کے آنے سے دل سیراب سا ہے
اس راہ سے تیرا گزر بھی نہیں ہوتا
اب تجھ سے ملنا بھی خواب سا ہے
بڑا نادان ہے کہیں لگتا ہی نہیں
اس کی یاد میں یہ دل بے تاب سا ہے
کبھی مل جائے تو پھر کھو نہ دینا اسے علی
اس کی جدائی میں رہنا اضطراب سا ہے

صداقت علی ....
کٹھیالہ خورد، منڈی بہاالدین

نظم۔

اے سال نو۔

خوش آمدید اے سال نو

کہ تو جو، اب آنے والا ہے

ہم سب پہ چھانے والا ہے۔

تو کیوں نہ ایک ذرا سی ملاقات کر لیں،

کچھ عہدو پیمان سے کر لیں۔

میرے عہدو پیمان کچھ یوں ہوں گے

کہ اے سال نو۔

ہم سب پہ رحمت کا سایہ بن کے آ۔

ہجرو وصل کے ہر دکھ سے آزاد ہو کے آ۔

کرپشن، ورندگی بے روزگاری سے پاک

ہو کے آ۔

اے سال نو

ہم سب کے واسطے ابر رحمت بن کے آ

گر قبول ہوں میرے عہدو پیماں

تو اے سال نو

ہم سب کے خوابوں کی تعبیر بن کے آ۔

خوش آمدید اے سال نو

ہم سب کے لئے خوش آئیند بن کے آ۔

سمہان آفندی۔

نظم

وہ اکثر یہ کہتا تھا،
محبت ایک صحرا ہے
جہاں اگر کوئی بھٹک جائے
تو پھر نہ راہ ملتی ہے،
تو پھر نہ چاہ ملتی ہے،
اگر ملتا ہے کچھ تو بس
پیاس ہی پیاس ملتی ہے
جو نہ بجھتی ہے نہ مٹتی ہے
اگر ملتا ہے کچھ تو بس
ہر اک موڑ پہ سراب ملتا ہے
جسے ہم حاصل سمجھتے ہیں

وہ لا حاصل ٹھہرتا ہے
مگر اب میں سوچتی ہوں کہ
محبت تو اک بارش ہے
جو دل پر برستی ہے
سب درد دھوتی ہے
دل پہ مرہم بنتی ہے
اور پھر اگر کچھ لا حاصل بھی رہ جائے
تو محبت ہی بس کافی ہوتی ہے
کیونکہ محبت تو بارش ہوتی ہے

از۔ بتول بھٹی۔

نظم

اگر تم ساتھ ہوتے،
اگر تم پاس ہوتے،
تو سوچو ذرا کیسا ہوتا،
یہ زندگی گلزار ہوتی،
یہ دھوپ بھی چھاؤں ہوتی
یہ تلخی بھی مٹھاس ہوتی
یہ مات بھی جیت ہوتی
یہ خزاں بھی بہار ہوتی
تو سوچو ذرا
گر تم پاس ہوتے
تو دل کو قرار ہوتا

مگر اے جاناں
نہ وہ قربت، نہ وہ راحت
نہ وہ چاہت، نہ وہ الفت
یہ سب تو اک خیال ہے
اک سراب ہے
محض دل کا بہلاوا
مگر پھر بھی جاناں
اگر ایسا ہوتا
تو سوچو کیسا ہوتا؟

شاعرہ: دیا خان بلوچ

نظم

میں آج بھی اس لمحے سے
رہا نہیں ہوئی۔۔۔
میں آج بھی اس لمحے کی
قید میں ہوں۔۔۔
جس لمحے تم سے محبت ہوئی۔

شاعرہ: سندھیا شاہ

ست رنگ ڈاک

ست رنگ ڈاک

اسلام وعلیکم۔

امید ہیں کہ آپ خیریت سے ہونگی۔ست رنگ پہلی بار پڑھا تو بہت اچھا لگا بلاشبہ اس کاوش پر آپ کی پوری ٹیم مبارک باد کی مستحق ہے اور امید ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں بہتری آتی جائے گی اور بہت سے دلچسپ اور نئے سلسلے بھی شروع کیئے جائیں گے۔اس بار جو تین سلسلے وار ناول میگزین کی زینت بنے وہ تینوں ہی بہت بہترین اور دلچسپ لگے ہیں ،نعیم سجاد کا ناول " تیرے بن جی نا سکے" کی پہلی قسط بہت اچھی اور دلچسپ لگی پورا ناول کسی پزل کی طرح لگا جیسے بہت سی ڈوریں الجھی سی ہین اور آگے چل کر آہستہ آستہ کھلیں گی کہانی کا پلاٹ بہت عمدہ بنا گیا ہے اور منظر نگاری بھی بہت دلکش ہے یوں

محسوس ہوتا ہے جیسے سب اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں ۔دوسرا ناول اقراء عابد کا ہے "عشق سنگ مرمر سا" اس ناول کی کہانی بھی بہت الجھی سی لگی ہے یقیناً پڑھنے کا مزہ آئے گا نوابوں کے خاندان کو بڑے اچھے طریقے سے پورٹریٹ کیا ہے اقراء عابد کے لفظوں کا چناؤں بھی بہت عمدہ ہے امید ہے ناول آگے چل کر بہت کامیابی حاصل کرے گا۔تیسرا ناول سعدیہ عابد کا "بند قباء کھلنے لگی جاناں" بھی بہت اچھا اور دلچسپ ہے کہانی ایک اچھے خاندانی نظام کو ظاہر کر رہی ہے جہاں رشتوں ناتوں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔سعدیہ عابد بہت اچھا لکھتی ہیں ان کی تحریریں ان کی پہچان ہیں اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔باقی میگزین کے لئے دعا گو ہوں اللہ پاک آپ لوگوں کو بہت کامیابی عطا فرمائے۔(آمین)

نور فاطمہ۔لاہور

اسلام علیکم؛

آج کل ہماری شامیں پھیکی گزر رہی تھی زندگی میں کچھ کمی سی تھی کچھ بے رنگ سی ہو گی تھی اور اچانک ہماری زندگی میں رنگوں کی برسات ہو گی ہاں جب دسمبر کی سات رنگ سلسلوں نے بے چینی اور اداسی کو کہا الوداع اور سات رنگ کے رنگوں کو سمیٹنے میں محو ہوئے سب سے پہلے اداریہ پڑھا اپنی فیوریٹ رایٹر علینہ ملک کا اور بہت اچھا لگا اس سے نکل کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم غیروں کی نظر میں پڑھا ثمرین یعقوب اسکی تحریر دل کو چھو گئی نعیم سجاد کا ناول تیرے بن جی نہ سکے بہت بہت اچھا لگا پلوشہ کا کردار اچھا لگا اور دایم کا بہت زیادہ امید ہے آئندہ کے اقساط بھی اتنی شاندار ہونگے ۔اقرا عابد کا ناول عشق سنگ مرمر سا بھی بہت بہت پسند آیا اس میں رازن کا کردار بہت اچھا لگا اور اسکی ماں کی

موت پر ہم بھی غمگین ہوئے اور چھوٹی بی بی کا تو لگتا ہے غصہ ناک پر دھرا رہتا ہے ورنہ رازن غصے والی بات تو نہیں کی وہ ایسی ہی چراغ پا ہوگی ان دونوں کی جھڑپیں متوقع لگتی ہیں اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار رہے گا بند قباء کھلنے لگی ہے جاناں سعد یہ عابد کا بھی ازحد اچھا لگا اسکے علاوہ سراب رستے عاصمہ عزیز مقدر جاگ جائے تو انمول عایشہ صدیقی اور دہشت گردی میری فیوریٹ علینہ ملک کی تحریر بھی بہت بہت بہت زیادہ پسندایی امید ہے اینده بھی اتنا مکمل میگزین دیکھنے کو ملے گا میرے بقول بہت ڈھونڈی کوئی خامی تجھ میں مگر نہ ملی۔ تو ہے اتنا اچھا یا یہ میری محبت ہے سمجھ نہیں آتی۔

راحیلہ بنت مہر علی شاہ گاوں آما خیل تحصیل وضلع ٹانک۔